صلوا کما رأیتمونی أصلی
"تم نماز اس طرح پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے"
کیا عورتوں کا
طریقہ نماز
مردوں سے مختلف ہے؟
دلائل کا جائزہ اور مسئلے کی اصل حقیقت
ہر مسلمان کو غور و فکر اور فیصلہ کرنے کی دعوت
حافظ صلاح الدین یوسف
مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان
دارالسلام

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي
فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
"تم نماز اس طرح پڑھو، جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے"
کیا عورتوں کا
طریقۂ نماز
مردوں سے مختلف ہے؟
دلائل کا جائزہ اور مسئلے کی اصل حقیقت
ہر مسلمان کو غور و فکر اور فیصلہ کرنے کی دعوت
حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
مشیر وفاق شرعی عدالت پاکستان
دار السلام
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa
Website: www.dar-us-salam.com

---

❶ طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945
❷ شارع اربعین۔ الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
❸ جدّہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
❹ الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624

پاکستان (ہیڈ آفس ومرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7240024-7232400-7111023-7110081 42 0092
فیکس: 7354072 **E-mail:** darussalampk@hotmail.com
❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
❸ اُردو بازار گوجرانوالا فون: 741613-431-0092 فیکس: 741614

لندن فون: 5202666 208 0044 فیکس: 5217645 208

امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431
❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

فہرست مضامین

عرضِ ناشر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عورتیں نماز کس طرح پڑھیں؟ بالکل مردوں کی طرح یا ان سے مختلف طریقے سے؟ یہ مسئلہ ہر مسلمان کے لیے قابلِ غور ہے۔ ہمارے ملک کی اکثریت فقہ حنفی کی پیروکار ہے اور ان کی عورتیں مردوں سے مختلف طریقے سے نماز پڑھتی ہیں۔ فقہ حنفی کے حوالے سے تو ان کا طرزِ عمل ایک منطقی پہلو اپنے اندر رکھتا ہے کہ احناف اپنی فقہ کے پابند ہیں یا بقول ان کے' انہیں اس کی ہی پابندی کرنی چاہیے۔

لیکن کیا عورتوں کا' مردوں سے مختلف طریقے سے نماز پڑھنا احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ عورتوں کے ہاتھ باندھنے' ہاتھ اٹھانے اور رکوع وسجود کی کیفیت مردوں سے مختلف ہے۔ لیکن علمائے احناف اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لیے یہی دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ فرق واختلاف احادیث سے ثابت ہے۔ حالانکہ یہ دعویٰ بے بنیاد بھی ہے اور امانت ودیانت کے خلاف بھی۔ (جیسا کہ آگے کتاب کے مباحث سے واضح ہوگا۔)

زیرِ نظر کتاب میں علمائے احناف کے اسی دعوے کا علمی وتحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ دو مضامین کا مجموعہ ہے جس میں ان کے تمام دلائل اور ان کا جواب آ گیا ہے۔ اس کتابچے کی اشاعت سے کسی پر طعن وتشنیع مقصود نہیں ہے' بلکہ صرف اور صرف احقاقِ حق کے فریضے کی ادائیگی ہے۔ قارئین کرام دونوں موقف اور ان کے دلائل پڑھ کر خود فیصلہ کریں کہ صحیح موقف کیا ہے اور غلط کونسا؟ احادیث سے کس کا موقف ثابت ہوتا ہے اور کس کا نہیں؟ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَالْبَاطِلَ بَاطِلاً وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ۔ آمین

عبدالمالک مجاہد' مُدیر: دارالسلام' الریاض

ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - جون 2004ء

کیا عورتوں کا طریقہ نماز مردوں سے مختلف ہے؟
(ایک حنفی مفتی صاحب کے دلائل کا جائزہ)

اس مضمون میں کراچی کے ایک حنفی مفتی شیخ الحدیث مولانا سبحان محمود صاحب کا مذکورہ بالا عنوان پر دلائل کا جائزہ لیا گیا ہے جس میں مرد، عورت کا طریقۂ نماز علیحدہ علیحدہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ حالانکہ نبیٔ اکرم ﷺ کا فرمان ہے۔

[صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي] (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر)

''تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

نبیٔ اکرم ﷺ کا یہ حکم عام ہے جس میں ہر مسلمان مرد عورت شامل ہے۔ اس لحاظ سے جو طریقۂ نماز مردوں کا ہے وہی عورتوں کا ہے۔ بجز ان چیزوں کے جن کی صراحت نبی ﷺ نے فرما دی ہے۔

- مثلاً عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اوڑھنی کے بغیر نماز نہ پڑھیں۔
- مسجد میں جا کر نماز پڑھنا عورتوں پر فرض نہیں' وغیرہ وغیرہ

باقی عورتیں ہاتھ کہاں باندھیں اور کہاں تک اُٹھائیں؟

قعدہ و قیام ان کا کس طرح ہو؟

سجدہ کیسے کریں؟

ان کے بارے میں جو حکم مردوں کے لیے صحیح احادیث سے ثابت ہے وہی حکم عورتوں کے لیے ہے۔ ان چیزوں میں اس وقت تک مرد و عورت کے درمیان فرق کرنے کی کوئی

معقول وجہ اور بنیاد نہیں ہے۔ جب تک صحیح احادیث سے ثابت نہ کر دیا جائے۔

اس سلسلے میں جو فتویٰ مفتی صاحب مذکور کا شائع ہوا ہے، ذیل میں اس کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے واضح ہو جائے گا کہ برادرانِ احناف کے پاس اپنے مسلک کے اثبات میں کوئی مضبوط دلیل (حدیث صحیح) نہیں ہے۔ (ص-ی)

تمہید ہی میں ''دلائل'' کی کمزوری کا اعتراف:

سب سے پہلے مفتی صاحب نے ''دلائل'' ذکر کرنے سے پہلے بطور تمہید یہ ارشاد فرمایا کہ ''فقہاء حضرات جو بھی مسئلہ بیان کرتے ہیں اس کی اصل قرآنِ کریم اور حدیث سے ہوتی ہے۔ البتہ یہ معلوم کرنا کہ قرآن و حدیث میں اس کی اصل کہاں ہے؟ یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے مجتہدانہ صلاحیت کی ضرورت ہے۔ اس لیے عام لوگوں کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ اپنے مسلک کے فقہاء اور امام کے بیان کئے ہوئے مسائل پر عمل کریں۔ اسی میں ان کے لیے عافیت ہے کیونکہ عوام خود قرآن و حدیث کو صحیح طریقے سے سمجھ کر مسائل معلوم نہیں کر سکتے۔ البتہ مجتہدین اور فقہاء حضرات اس کی اصل کو تلاش کرتے ہیں اور اصل کے بغیر کچھ نہیں۔'' (روزنامہ ''جسارت'' کراچی ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۱ء)

قبل اس کے کہ مفتی صاحب کی ان تمہیدی گزارشات پر کچھ عرض کیا جائے اس عورت کا سوال بھی پڑھ لیا جائے جس کے جواب میں مفتی صاحب نے یہ کچھ ارشاد فرمایا ہے:

سوال یہ تھا۔

> ''مولانا اشرف علی تھانوی اور بعض دیگر علمائے دین نے یہ فرمایا ہے کہ مرد نیت باندھتے وقت کان کی لو تک انگوٹھے لے جائے اور عورت صرف کندھے تک' مرد زیر ناف ہاتھ باندھیں اور عورتیں سینے پر۔ رکوع میں مرد انگلیاں یوں رکھیں اور خواتین اس طرح' مرد کمر کو اُٹھا کر سجدہ کریں اور عورتیں بالکل دَب کر اور زمین

سے چپک کر سجدہ کریں۔

میں نے یہی مسئلہ معلوم کرنے کے لیے حدیث بخاری اور مشکوٰۃ شریف میں باب الصلوٰۃ کا خاص طور پر مطالعہ کیا۔ مجھے تو ان میں کوئی حدیث اس بارے میں نہیں ملی۔ سنا ہے کہ ''درمنثور'' میں ایک حدیث اس بارے میں وارد ہے۔ آج کل یہاں عورتوں میں یہ بحث چل رہی ہے۔ اگر واقعی مرد صاحبان اور خواتین کی نماز کی ہیئت میں اتنا بڑا فرق ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنہوں نے دو ہزار سے زائد حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔ (جن میں خواتین کے متعلق حدیثیں خاص ہیں) تو آنجنابہ اس بارے میں ضرور واضح طور پر حدیثیں بیان فرماتیں، ممکن ہے آپ نے بیان فرمائی ہوں جو میری نظر سے نہ گزری ہوں۔''

(بیگم عبدالغنی، کراچی)

ہماری گزارشات:

ا۔ محترمہ کے جواب میں مفتی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ ایسی احادیث نقل کر دیتے جن میں عورتوں کو نماز کی بابت مردوں سے مختلف حکم دیا گیا ہے تاکہ بات بالکل واضح ہو جاتی لیکن مفتی صاحب موصوف نے ''دلائل'' ذکر کرنے سے پہلے تو یہ ''وعظ'' فرمایا کہ عوام قرآن وحدیث کے سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ اس لیے ان کو چاہیے کہ ان کے علماء جو کچھ بتلائیں آنکھیں بند کر کے ان پر عمل کرتے رہیں۔

حالانکہ عوام کی بابت مطلقاً یہ فیصلہ بالکل غلط ہے۔ بلاشبہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے مطلوبہ کسی قابلیت وعلم کی ضرورت ہے۔ لیکن عوام کو یہ نشاندہی تو کرائی جا سکتی ہے کہ فلاں مسئلے کی بابت قرآن کی فلاں آیت یا فلاں حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ عوام اتنے غبی اور کودن نہیں ہیں کہ وہ حدیث کا ترجمہ بھی پڑھ کر اس کا مطلب نہ سمجھ سکیں یا علماء کے سمجھانے سے بھی ان کے پلے کچھ نہ پڑے۔

۲۔ یہ کہنا کہ ''عام لوگوں کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ اپنے مسلک کے فقہاء اور امام کے بیان کئے ہوئے مسائل پر عمل کریں۔''

اس کی بابت مفتی صاحب سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ حکم کس نے دیا ہے؟ قرآن حکیم نے تو بار بار اللہ اور رسول کی اطاعت ہی کا حکم دیا ہے۔ اطاعتِ فقہاء وائمہ کا حکم تو کہیں بھی نہیں دیا ہے۔ مسلمان عوام اگر پابند ہیں تو صرف قرآن وحدیث کے ہیں، نہ کہ اقوال وآرائے رجال کے۔ عوام علماء کی طرف رجوع بھی اسی نقطۂ نظر سے کرتے ہیں کہ انہیں قرآن وحدیث سے مسئلہ بتائیں۔ ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ مفتی کسی فقیہ یا امام کے قول کا حوالہ دے کر مسئلہ ثابت کرے۔ ایسے مسلمان عوام کو قرآن وحدیث سے بالکل غافل اور بے خبر رکھنا بلکہ قرآن وسنت کے خلاف مسائل پر عمل کرنے کا ان کو حکم دینا، کیا دیانت وانصاف پر مبنی ہے؟

۳۔ تیسری بات مفتی صاحب نے یہ بیان فرمائی ہے کہ فقہاء حضرات جو کچھ کہتے ہیں ان کی اصل قرآن یا حدیث سے ہی ہوتی ہے اور اصل کے بغیر کچھ نہیں کہتے۔

سوال یہ ہے کہ اس مقام پر اس ''صراحت'' کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے؟ اگر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ فقہاء کی کوئی بات قرآن وحدیث کے خلاف نہیں ہے تو اس امر کی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اصل دلائل پیش کرنے سے متعلق فقہاء کی بابت اس امر کی صراحت ہی اس بات کی نشاندہی کر دیتی ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ محترمہ سائلہ نے جو سوال مفتی صاحب سے کیا ہے اس کا کوئی جواب مفتی صاحب کے پاس نہیں۔ کسی بھی حدیثِ صحیح میں عورتوں کو مردوں سے مختلف رکوع، سجود، وضع یدین ورفع یدین کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ اسی لیے محترم مفتی صاحب مذکورہ تمہیدی ارشادات پر مجبور بھی ہوئے۔ بمصداق ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اس کے بعد مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ فقہاء حضرات نماز میں عورتوں کی ہیئت کے بارے میں جو مخصوص صورتیں بیان کرتے ہیں۔ وہ سب احادیث سے ثابت ہیں۔''

لیکن ہم عرض کریں گے کہ مفتی صاحب کا یہ دعویٰ یکسر بے بنیاد ہے کیونکہ وہ ایک بھی صحیح حدیث اس کی بابت پیش نہیں کر سکے۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔

شریعت سازی؟:

پھر لکھتے ہیں: ''اس سے قبل کہ ہم وہ حدیثیں ذکر کریں یہ بات سمجھ لی جائے کہ عورتوں کے بارے میں شریعت کا منشاء یہ ہے کہ وہ حتی الامکان ستر اور پردے سے رہیں خواہ گھر میں رہیں یا کمرے میں، تنہا ہوں یا دوسروں کے سامنے حتی کہ نماز جو اہم ترین عبادت ہے اس میں بھی اس کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اس طرح نماز کی بعض صورتوں میں جو مخصوص ہیئتیں بیان کی گئی ہیں۔ اس کی علت بھی علماء نے سَتر اور پردہ ہی بتائی ہے۔''

بلاشبہ عورتوں کے پردے اور ستر کی بابت شریعت کا جو منشاء مفتی صاحب نے بتلایا ہے' اس سے مجال انکار نہیں۔ لیکن اس سے مقصود اگر نماز کے خود ساختہ طریقے کا جواز مہیا کرنا ہے تو یہ محل نظر ہے۔ شریعت نے جو طریقۂ نماز بتلایا ہے۔ (جس میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے) اس طریقے سے خواتین بے پردہ اور بے ستر نہیں ہوتیں۔ اگر ایسا ہوتا تو شریعت از خود عورتوں کو مردوں سے مختلف طریقۂ نماز کا حکم دے دیتی۔ جیسا کہ بعض احکام عورتوں کے لیے الگ ہیں۔ ان کے علاوہ اگر کوئی مختلف طریقۂ نماز عورتوں کے لیے یہ کہہ کر ایجاد کریں گے کہ اس میں پردہ اور ستر کا زیادہ اہتمام

ہے تو یہ بہت بڑی جسارت ہے اور ﴿لاَ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (الحجرات : ۱) کے صریحاً خلاف ہے۔ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو تو یہ معلوم نہ ہوا کہ عورتوں کے لیے فلاں طریقۂ سجدہ یا طریقۂ رکوع استر (زیادہ باپردہ) ہے اور اس سے شریعتِ اسلامیہ کا منشا زیادہ صحیح طریقے سے پورا ہوتا ہے۔ تاہم بعد کے فقہاء کو یہ نکتہ سوجھ گیا اور انہوں نے اس ''خلاء'' کو پر کر کے شریعت کے منشاء کی تکمیل کر دی ہے۔ نعوذ باللّٰه ثم نعوذ باللّٰه کیا مفتی صاحب کی بیان کردہ علت سے یہی کچھ واضح نہیں ہوتا؟

مفتی صاحب کی بیان کردہ احادیث کا جائزہ:

اب مفتی صاحب کی نقل کردہ احادیث کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ وباللّٰه التوفیق.

نیت باندھتے وقت ہاتھ اُٹھانے میں فرق؟: مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اب اس سلسلے میں احادیث ذکر کی جاتی ہیں کہ عورتیں ہاتھ کہاں تک اُٹھائیں معجم طبرانی میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابن حجر جب تو نماز پڑھے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے برابر کر لے اور عورت اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے کے برابر کر لے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک مستقل رسالے میں جو رفع الیدین کے متعلق ہے، نقل کیا ہے کہ عبدربہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ام الدرداءؓ (جو مشہور صحابیہ ہیں) کو نماز میں کندھوں کے برابر ہاتھ اُٹھاتے دیکھا ہے۔ دونوں حدیثوں پر عمل اس طرح ہوگا کہ کندھوں تک ہاتھ اُٹھانے میں ہاتھ کا کچھ حصہ سینے کے برابر بھی ہو جاتا ہے۔''

جواب یہ ہیں مفتی صاحب کے دلائل اس بارے میں کہ نیت باندھتے وقت عورتیں ہاتھ کہاں تک اُٹھائیں۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت سے موصوف نے ثابت کیا

ہے کہ مرد اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائیں اور عورت سینے تک۔ لیکن حضرت! واضح رہے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی یہ روایت حسب تصریحات محدثین ضعیف ہے جیسا کہ مجمع الزوائد میں بحوالہ طبرانی یہ روایت مع سند موجود ہے اور وہاں حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے کہ اس میں ام یحییٰ بنت عبدالجبار ایک راویہ ہے جو مجہول ہے (**لم اعرفها**) ''میں اسے نہیں جانتا۔'' (مجمع الزوائد، ج ۲۔ص ۱۰۳)

مفتی صاحب کا اصل مدارِ استدلال اسی روایت پر ہے جو استدلال و حجت کے قابل ہی نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے رسالہ ''جزء رفع الیدین'' سے عبدربہ کی جو روایت نقل کی ہے۔ اس سے مرد وعورت کے درمیان فرق کا وہ پہلو نکلتا ہی نہیں جو مفتی صاحب اس سے کشید فرما رہے ہیں۔ اس لیے اس پر استدلال کی جو عمارت کھڑی کی گئی ہے وہ بے بنیاد ہے۔ بہرحال مرد وعورت کے درمیان، رفع الیدین میں فرق کی بابت احناف کے پاس کوئی صحیح حدیث موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن حجر اور قاضی شوکانی رحمہما اللہ نے بھی لکھا ہے۔ جن کی نظر احادیث پر بڑی گہری اور وسیع ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

[**لم یرد ما یدل علی التفرقة فی الرفع بین الرجل والمرأة وعن الحنفیة یرفع الرجل الی الاذنین والمرأة الی المنکبین لانه استرلها.**] (فتح الباری، کتاب الاذان ، باب ۸۵ ص ۲۸۷، حدیث : ۷۳۸، ج ۲ طبع دارالسلام، الریاض)

یعنی ''حنفیہ جو یہ کہتے ہیں کہ مرد ہاتھ کانوں تک اُٹھائے اور عورت کندھوں تک، مرد وعورت کے درمیان فرق کرنے کا یہ حکم کسی حدیث میں وارد نہیں۔''

اور امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[**واعلم ان هذه السنة تشترک فیها الرجال والنساء ولم یرد ما یدل علی الفرق بین الرجل والمرأة فی مقدار الرفع و روی عن الحنفیة ان**

الرجل یرفع الی الاذنین والمرأة الی المنکبین لانه استرلها ولا دلیل علی ذلک کما عرفت .] (نیل الاوطار، ج ۲ ص ۱۹۸) باب رفع الیدین و بیان صفته و مواضعه)

یعنی'' یہ رفع الیدین ایسی سنت ہے جو مرد و عورت دونوں کے درمیان مشترک ہے (یعنی دونوں کے لیے یکساں ہے) اس کی بابت دونوں کے درمیان فرق کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اسی طرح مقدارِ رفع میں بھی فرق کرنے کی کوئی صراحت منقول نہیں ہے۔ جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے کہ مرد ہاتھ کانوں تک اُٹھائے اور عورت کندھوں تک۔ حنفیہ کے اس مسلک کی کوئی دلیل نہیں ہے۔''

ہاتھ باندھنے میں فرق؟:

اس کے بعد مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''ہاتھ باندھنے میں بھی حضور ﷺ سے دونوں طریقے ثابت ہیں، مردوں کے ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے اور عورتوں کے سینے پر ہاتھ باندھنے سے دونوں قسم کی روایات پر عمل ہو جاتا ہے۔''

یہاں پر مفتی صاحب نے دو روایتیں نقل فرمائی ہیں، ایک حضرت علیؓ کی، جس میں زیرِ ناف ہاتھ باندھنے کا بیان ہے اور دوسری حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی، جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے سینے پر ہاتھ باندھے۔

مفتی صاحب نے دونوں روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ تحت السرة (زیرناف) والی روایات پر مرد عمل کریں اور علی الصدر (سینے پر ہاتھ باندھنے) والی روایت پر عورتیں عمل کریں۔ حالانکہ جمع و تطبیق کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کہ دونوں روایات (جو

بظاہر متعارض ہوں) سنداً صحیح ہوں۔ اگر دو متعارض روایات ایسی ہوں کہ سنداً ایک صحیح ہو اور دوسری ضعیف، تو محدثین کے اصول کے مطابق عمل صحیح السند روایت پر ہوگا۔ ضعیف روایت کو صحیح روایت کے مقابلے میں ترک کر دیا جائے گا۔ اس لیے مفتی صاحب کا پہلا فرض یہ تھا کہ ہاتھ باندھنے والی دونوں قسم کی روایتوں کے متعلق یہ ثابت کرتے کہ سنداً دونوں صحیح اور یکساں حیثیت کی حامل ہیں۔ لہٰذا تطبیق کے بغیر چارہ نہیں۔ اس کے بعد موصوف کی مذکورہ تطبیق قابل تسلیم ہوسکتی ہے۔

بنا بریں تطبیق سے پہلے دونوں روایتوں کی سندی حیثیت دیکھنے کی ضرورت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سنن ابو داوًد کے اس نسخے میں نہیں ہے جو پاک و ہند میں متداول ہے۔ تاہم ابو داوًد کے ایک نسخے (ابن الاعرابی) میں یہ روایت موجود ہے لیکن وہاں امام ابوداوًد رحمہ اللہ نے اس کے ضعف کی بھی صراحت کر دی ہے (ملاحظہ ہو عون المعبود، ج ا ص ۲۷۵) یہ بھی مفتی صاحب کی علمی دیانت کا ایک شاہکار ہے کہ روایت کے لیے تو سنن ابوداوًد کا حوالہ دیا ہے لیکن روایت کے ساتھ ہی اس کے ضعف کی جو صراحت اس میں ہے' اسے گول کر گئے۔ اس کے برعکس حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح ابن خزیمہ میں ہے اور بلوغ المرام میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے نقل کیا اور اُسے صحیح قرار دیا ہے، فتح الباری میں بھی انہوں نے اسے صحیح بتلایا ہے۔ نیز دیگر محدثین نے بھی اس کی تصحیح و توثیق کی ہے۔ حتی کہ کئی حنفی علماء نے بھی حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تضعیف اور حدیث وائل کی تصحیح وتوثیق کی ہے۔ چنانچہ چند حوالے ملاحظہ ہوں:

ا۔ علامہ عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں:

[واحتج صاحب الهداية لا صحابنا فی ذلک بقوله صلی الله علیه وسلم ان من السنة وضع الیمنی علی الشمال تحت السرة قلت هذا

قول علی بن ابی طالب و اسناده الی النبی صلی الله علیه وسلم غیر صحیح .... فیه مقال لان فی سنده عبدالرحمن بن اسحٰق الکوفی قال احمد لیس بشیء منکر الحدیث] (عمده القاری ، ج ٥ ، ص ٢٧٩ ، طبع جدید)

یعنی ''صاحب ہدایہ نے ہمارے احناف کے مسلک پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے استدلال کیا ہے جس میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کو سنت کہا گیا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی اسناد نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح ثابت نہیں ہے اس روایت میں مقال ہے اس لیے کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق کوفی ہے جس کے متعلق امام احمدؒ کا قول ہے کہ وہ کچھ نہیں اور وہ منکر الحدیث ہے۔''

٢۔ شیخ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی (المعروف شرح کبیری) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیر بحث روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

[قال النووی اتفقوا علی تضعیفه لانه من روایة عبدالرحمن بن اسحٰق مجمع علی تضعیفه .] (کبیری – ص ٢٩ ۔ طبع مجتبائی دهلی ١٨٩٨ء)

یعنی ''بقول امام نووی رحمہ اللہ اس روایت کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ اس میں عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی راوی ہے جو بالاتفاق ضعیف ہے۔''

٣۔ مولانا محمد حیات سندھی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

[بما تقدم و تقرران وضع الایدی علی الصدور فی الصلوٰة اصلاً اصیلاً و دلیلاً جلیلاً فلا ینبغی لاهل الایمان الاستنكاف عنه و كيف يستنكف المسلم عما ثبت عن رسول الله صلی الله علیه وسلم الذی قال لا

یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت به بل ینبغی ان یفعل ذلک. (فتح الغفور – ص ۸ طبع ملتان)

''بیان متذکرہ بالا سے بخوبی واضح ہوگیا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی بنیاد (روایت) مضبوط اور دلیل واضح ہے اور ہر اہل ایمان کے لیے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ اس سے روگردانی کرے اور مسلمان ایسی چیز سے روگردانی کیونکر کر سکتا ہے جو کہ خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو۔ پھر نبی ﷺ کا ارشاد بھی ہے کہ ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ ہوجائے۔'' پس ہر مسلمان کو آپ ﷺ کے فرمان پر عمل کرنا چاہیے۔''

۴۔ شاہ نعیم اللہ بہرائچی، مرزا مظہر جان جاناں رحمہ اللہ حنفی کے معمولات میں لکھتے ہیں:

[ودست را برابر سینه می بستند و می فرمودند که ایں روایت ارجح است از روایات زیر ناف.] (ص ۷۵)

یعنی ''مرزا مظہر نماز میں سینے پر ہاتھ باندھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت زیر ناف باندھنے کی روایت سے زیادہ راجح ہے۔''

خود حنفی علماء کی تصریحات سے جب یہ ثابت ہوتا ہے کہ تحت السرۃ والی روایت ضعیف اور سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت صحیح اور راجح ہے تو اس کے بعد مفتی صاحب کی مذکورہ تطبیق کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

بہر حال اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مرد وعورت کے درمیان نماز میں ہاتھ باندھنے کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ صحیح روایات کی رو سے نبی ﷺ نے نماز میں ہاتھ سینے پر باندھے ہیں اور اس کی بابت عورتوں کے لیے کوئی الگ حکم بھی ثابت نہیں ہے۔

اس لیے مرد و عورت دونوں کے لیے مسنون طریقہ یہی ہے کہ وہ سینے پر ہاتھ باندھیں۔

نماز میں عورتوں کے سجدے کی ہیئت؟:

نماز میں عورتوں کے سجدے کی ہیئت کے بارے میں مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اسی طرح جب عورتیں سجدہ کریں تو ستر کو باقی رکھتے ہوئے خوب اچھی طرح سکڑ کر کریں۔''

اس کی دلیل میں دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ ان میں ایک مراسیل ابو داؤد میں ہے اور دوسری سنن بیہقی میں۔

''حضور ﷺ نے دو عورتوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو جسم کو زمین سے ملاؤ۔''

(۲) واخرج البیھقی اذا سجدت المرأة الصقت بطنھا بفخذھا کا ستر ما یکون لھا.

جواب: لیکن ہم عرض کریں گے کہ اوّل الذکر حدیث مرسل ہے جو محدثین اور راجح مذہب کے مطابق قابل حجت نہیں۔ علاوہ ازیں اس کی سند میں ایک راوی۔ سالم۔ بھی متروک ہے۔

دوسری روایت سنن بیہقی میں ہے جس کا ترجمہ مفتی صاحب نے نقل نہیں کیا ہے صرف عربی عبارت نقل کی ہے تاہم اس کا مفہوم بھی وہی ہے۔ یہ روایت بلاشبہ سنن بیہقی (ج ۲ ص ۲۲۳) میں موجود ہے لیکن مفتی صاحب کی اس جسارت اور ''دیانت علمی'' پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے تو یہ روایت متنبہ کرنے کے لیے درج کی ہے کہ یہ روایت ایسی ضعیف ہے کہ ان جیسی روایتوں سے استدلال نہیں کیا جا سکتا لیکن مفتی صاحب موصوف نے اسے بطور استدلال پیش کیا ہے

ناطقہ سر بگریباں ہے، اسے کیا کہیے؟

اور یہ قعدہ والی حدیث؟: مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''اسی طرح قعدہ کے سلسلے میں بیہقی کی روایت ہے کہ ایک ران پر دوسری ران رکھ کر بیٹھے۔

[عن عبداللّٰه بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا جلست المرأة في الصلٰوة وضعت فخذها على فخذها.]

لیکن آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ بھی اسی حدیثِ مذکور کا ایک ٹکڑا ہے جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے صرف لوگوں کو متنبہ کرنے کے لیے اپنی کتاب میں درج کیا ہے کہ یہ روایت کسی کام کی نہیں ہے' اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب نے از خود سنن بیہقی کا مطالعہ نہیں کیا اور اپنے کسی ہم مذہب پیشرو کا کوئی فتویٰ یا مضمون دیکھ کر مکھی پر مکھی دے ماری ہے ورنہ اتنی صریح خیانت کا تصور ایک اتنے بڑے دار العلوم کے شیخ الحدیث اور مفتی کے متعلق نہیں کیا جا سکتا۔

بہر حال مذکورہ حدیث نقل کرنے کے بعد مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''ان احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورتوں کی نماز کے بارے میں فقہاء نے جو مخصوص صورتیں بیان فرمائی ہیں وہ احادیث سے ثابت ہیں۔''

لیکن موصوف کی بیان کردہ ''احادیث'' کی حقیقت اوپر بیان کر دی گئی ہے جس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ فقہائے احناف نے عورتوں کے لیے مردوں سے الگ جو صورتیں بیان کی ہیں وہ ان کی اپنی ایجاد کردہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔

کچھ اور دلائل اور وضاحتیں: اس کے بعد مفتی صاحب فرماتے ہیں:

''یہ بات واضح رہے کہ عورتوں کے بارے میں حکم شرعی کے ثبوت کے لیے یہ ضروری

نہیں کہ وہ حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ثابت ہو بلکہ کسی اور صحابی سے بھی ثابت ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس بارے میں حضرت عائشہؓ سے کوئی حدیث ثابت ہو لیکن ہمیں نہ مل سکی ہو۔''

بلاشبہ حکم شرعی کے اثبات کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی حدیث ضروری نہیں، بلکہ کسی بھی صحابیٔ رسول ﷺ کی حدیث (صحیح) سے حکم شرعی ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن سائلہ کا یہ سوال بہر حال ضرور قابل غور ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو ہزار سے زائد احادیث مروی ہیں، اگر عورتوں کے لیے نماز کا طریقہ مردوں سے مختلف ہوتا' تو یقیناً ان سے اس انداز کی کوئی حدیث ضرور مروی ہوتی۔ اسی طرح یہ بھی قابل غور پہلو ہے کہ اتنا اہم اور عامۃ الورود مسئلہ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمیت کسی بھی صحابی سے اس کی بابت کوئی حدیث ثابت نہیں۔ یہ کہنا کہ

''ممکن ہے کہ اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی حدیث ثابت ہو لیکن ہمیں نہ مل سکی ہو۔''

استدلال کا یہ کون سا انداز ہے؟ اس طرح تو ہر من گھڑت مسئلے کو یہ کہہ کر ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کہ ممکن ہے اس بارے میں حدیث تو ہو، لیکن ہمیں نہ مل سکی ہو۔

''تعامُلِ امت'' سے استدلال؟: پھر لکھتے ہیں:

''اس کے علاوہ تعامل امت سے بھی عورتوں کی نماز کی مذکورہ بالا کیفیات ثابت ہیں اور تعامل امت بھی دلیل شرعی ہے۔''

لیکن مفتی صاحب سے ہم یہ پوچھنا چاہیں گے کہ ''تعامل امت'' سے ان کی کیا مراد ہے؟ موجودہ لوگوں (امت) کا تعامل یا عہد صحابہ کا تعامل۔ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں تو دلیل شرعی کی بات ہو سکتی ہے اور اسے ہی تعامل امت کہا جاتا ہے۔ لیکن بعد کے ادوار کا

تعامل بھی کیا اس ''تعامل امت'' کے ضمن میں آتا ہے جس کو دلیل شرعی قرار دیا جا سکے؟

اگر مفتی صاحب موصوف کے نزدیک ''تعامل امت'' سے مراد تعامل صحابہؓ ہے (جیسا کہ یہی اس کا صحیح مفہوم ہے) تو کیا موصوف اس امر کا کوئی ثبوت پیش فرما سکیں گے کہ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مسلمان خواتین اسی طرح مردوں سے مختلف طریقے سے نماز پڑھتی تھیں۔ جس طرح آج کل کی حنفی اور شریعت سے ناواقف عورتیں پڑھتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر مسئلہ ضرور قابل غور بن جاتا ہے۔

اور اگر تعامل امت سے مراد عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد کے لوگوں کا تعامل ہے تو محترم مفتی صاحب اسے بطور ''دلیل شرعی'' پیش کرنے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ پھر مسئلہ زیر بحث ہی ثابت نہیں ہوگا۔ بے شمار بدعتیں بھی ثابت ہو جائیں گی۔ جن پر آج کل ''تعامل امت'' ہے۔ کیا مفتی صاحب اس کے لیے تیار ہیں؟ کیا ان تمام بدعتوں کو اس ''دلیل شرعی'' کی رو سے سند جواز عطا کیا جا سکتا ہے؟

مارآہ المسلمون...... سے استدلال؟:

اسی تعامل امت کے سلسلے میں مفتی صاحب موصوف نے اس مشہور روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہے یعنی مَارَآہ الْمُسْلِمونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ ''جس عمل کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے'' حالانکہ اوّل تو یہ حدیث مرفوع ثابت ہی نہیں ہے۔ یہ ایک موقوف قول ہے۔ ثانیاً یہ کسی درجہ میں قابل حجت بھی ہو تب بھی اس سے مراد عہدِ صحابہ ہی ہوگا اور قرنِ اوّل کے مسلمانوں کا تعامل ہی حَسن اور قابل عمل کہلائے گا' نہ کہ بعد کے مسلمانوں کا عمل، جو عموماً اعتقاد و عمل کی متعدد گمراہیوں میں مبتلا چلے آ رہے ہیں۔

یہی بات مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم نے بھی التعلیق المجد میں بڑی تفصیل سے

لکھی ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ ہم بغرض اختصار یہاں صرف اس کے حوالے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ (التعليق الممجد ص ١٤٤)

اسی طرح موصوف نے **لا تجتمع امتي على ضلالة** بھی پیش فرمائی ہے اس کی اسنادی حیثیت سے قطع نظر بفرض صحت و حجت اس امت سے بھی مراد قرنِ اوّل کی امت یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ہیں نہ کہ آج کل کی امت۔ جس کا سارا دین، بجز ایک گروہ حق کے، خود ساختہ ہے اور جس کے اندر شرک و بدعت کی گرم بازاری ہے اگر مفتی صاحب آج کل کی امت کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی تو وہ کیوں اپنے ہی حنفی بھائیوں (بریلویوں) سے برسرِ پیکار ہیں؟ اکثریت ان کی ہے۔ کیا اس ''دلیل'' کی رو سے بریلوی عقائد و اعمال کو سندِ جواز عطا نہیں کیا جاسکتا؟

بہر حال مفتی صاحب جو مختلف قسم کے سہارے اپنے موقف میں پیش فرما رہے ہیں اس سے از خود یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ موصوف کے پاس اپنے موقف (کہ عورت کا طریقۂ نماز مردوں سے مختلف ہے) کے ثبوت کے لیے کوئی واضح دلیل اور مرفوع حدیث نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مفتی صاحب سہارے نہ ڈھونڈتے، حدیث صحیح پیش فرمانے پر ہی اکتفا کر لیتے۔ لیکن مذکورہ بحث سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ موصوف کے پاس فقہ حنفی کے زیر بحث مسئلے کے ثبوت میں ایک بھی مرفوع متصل روایت نہیں ہے۔

ھا توا برھانکم ان کنتم صادقین.

(اگر سچے ہو تو دلیل پیش کر کے دکھاؤ)

(منقول از ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور ۲۲-۲۹ جنوری ۱۹۸۲ء)

خواتین کا طریقۂ نماز؟

گزشتہ صفحات میں آپ نے دارالعلوم کراچی کے مفتی اور شیخ الحدیث کے مضمون پر تبصرہ پڑھا۔ شیخ الحدیث ہونے کے باوجود موصوف نے جس امانت و دیانت کا مظاہرہ کیا ہے، قارئین اسے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب ایک اور کتابچہ ہمیں برائے تبصرہ ملا ہے، اس کی بابت بتلایا گیا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ (شیخ زائد اسلامک سینٹر، نیوکیمپس) لاہور میں زیر تعلیم اسلامیات کی طالبات میں اسے تقسیم کیا گیا ہے، وہیں کی ایک طالبہ کے والد محترم کے ذریعے سے یہ ہم تک پہنچا ہے اور ساتھ ہی انہوں نے اس میں پیش کردہ دلائل کی حقیقت واضح کرنے پر اصرار کیا۔ راقم نے جب اسے ایک نظر دیکھا، تو نہایت تعجب ہوا کہ اس میں بھی نہایت بے خوفی سے علمی امانت و دیانت کا اسی طرح خون کیا گیا ہے، جیسے اس سے قبل کے مضمون میں کیا گیا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ پہلا مضمون دارالعلوم کراچی کے شیخ الحدیث اور مفتی صاحب کا تحریر کردہ ہے جو آج سے تقریباً ۲۲ سال قبل روزنامہ ''جسارت'' کراچی میں شائع ہوا تھا۔ اور یہ دوسرا مضمون، جو اس کتابچے میں شامل ہے اور جو ''خواتین کا طریقۂ نماز'' کے نام سے ایچ ایم سعید کمپنی کراچی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ یہ غالباً مذکورہ شیخ الحدیث مولانا سبحان محمود صاحب کے شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں۔ کیونکہ اس میں ''تصدیق'' کے عنوان سے کتابچے کے شروع میں ان کی تائید و تقریظ شامل ہے جس میں انہوں نے انہیں ''عزیز موصوف سلمہ'' کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے نام -عبدالرؤف سکھروی- کے ساتھ ''نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی'' تحریر ہے۔ یہ گویا ایک استاذ ہے

تو دوسرے صاحب شاگرد۔ ایک دارالعلوم کے مفتی اور ناظم ہیں تو دوسرے ان کے نائب مفتی' ایک بزرگ ہیں تو دوسرے ان کے عزیز موصوف۔ لیکن شاگرد' نائب اور عزیز نے بددیانتی اور علمی خیانت کے ارتکاب میں استاذ اور بزرگ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اور یوں -آنچہ پدر نہ تواند کند' پسر تمام کند- کے مقولے پر عمل ہو گیا ہے۔

یہ وضاحت' اگرچہ ہمارے لیے نہایت ناخوشگوار اور سخت روح فرسا ہے۔ بالخصوص موجودہ حالات میں' جب کہ ملک وملت کو اتحاد و یک جہتی کی سخت ضرورت ہے' لیکن جب جانتے بوجھتے' دن کی روشنی میں اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کیا جائے اور اس کا ارتکاب بھی ان لوگوں کی طرف سے ہو جو منبر رسول کے وارث کہلاتے ہیں' مدعیانِ زہد و تقویٰ ہیں' اصحابِ جُبّہ و دستار ہیں۔ حاملینِ علم نبوت ہیں' مسند نشینانِ افتاء و تحقیق ہیں اور شیخ الحدیث جیسے منصب جلیلہ پر فائز ہیں۔ لیکن کام بازی گروں والا' علمی دیانت کا خون کر کے دھوکہ و فریب دینا' حدیث رسول کے نام سے رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنا جو آپ سے ثابت ہی نہیں ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

[مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ] (صحيح بخاري' احاديث الانبياء' حديث: ٣٤٦١)

''جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا' وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

اور وہ حدیث' جس کو اپنی کتاب میں درج کرنے والا اس لیے درج کر رہا ہے تاکہ لوگوں کے علم میں آجائے کہ یہ سخت ضعیف ہے' ناقابل حجت ہے' اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اتنی واضح صراحت کے باوجود ایک شیخ الحدیث کہلانے والا' صاحب کتاب محدث کی اس صراحت کو تو نقل نہیں کرتا' لیکن اسے اپنے مسلک کے اثبات کے لیے حدیث رسول کہہ کر نقل کرتا ہے اور اس سے استدلال کرتا ہے۔ فرمایئے! کیا اس کا

اس حدیث کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے؟ اس سے استدلال کرنا صحیح ہے؟ کیا یہ دھوکہ اور فریب نہیں؟ دھوکہ اور فریب کے متعلق ذرا رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل اور آپ کا فرمان تو دیکھیے۔

آپ غلے کی ایک ڈھیری کے پاس سے گزرے' آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا' تو آپ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی۔ آپ نے اس کے مالک سے پوچھا' اس کے اندر والے حصے میں یہ تری کیوں ہے؟ اس نے کہا: بارش کی وجہ سے۔ آپ نے فرمایا: ''تو نے اس تر حصے کو اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں۔'' پھر فرمایا:

[مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي] (صحيح مسلم' الايمان' باب قول النبي صلى الله عليه و سلم من غشنا فليس منا' حديث : ۱۰۲)

''جس نے دھوکہ دیا' اس کا تعلق مجھ سے نہیں۔''

یہ بات نہایت قابل غور ہے کہ دنیا کے معمولی سامان میں دھوکہ دینے والے کی بابت نبی ﷺ نے اتنی سخت وعید بیان فرمائی' تو جو شخص دین و ایمان کے بارے میں دھوکے اور جعل سازی سے کام لے' وہ کتنا بڑا مجرم ہوگا؟ یہ ایسی دعویٰ زہد و تقویٰ اور ادعائے علم و فضل اس کا کوئی تعلق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوسکتا ہے؟ راقم اس کی نفی نہیں کرتا' لیکن مذکورہ حدیث رسول کی روشنی میں یہ نکتہ ضرور قابل غور ہے؟ اور راقم علمی خیانت (دھوکہ دہی) کرنے والے علماء کو دونوں حدیثوں پر غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے کہ کیا ان کا طرز عمل [مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ متعمدًا] (الحديث) اور [مَنْ غَشَّ] (الحديث) کی وعید کا مستحق نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو قابل اطمینان بات ہے' لیکن اس کی وضاحت فرمائیں کہ کیوں نہیں ہے؟

ان تمہیدی گزارشات کے بعد ہم اب مولانا عبدالرؤف سکھروی صاحب نائب مفتی

دارالعلوم' کراچی کے کتابچے ''خواتین کا طریقۂ نماز'' کا جائزہ بعون اللہ وتوفیقہ لیتے ہیں اوران کی علمی خیانتوں کو واضح کرتے ہیں جن کا ارتکاب اس کتابچے میں کیا گیا ہے۔

مولانا سکھروی صاحب اپنے تمہیدی کلمات میں فرماتے ہیں:

''خواتین کا طریقۂ نماز آگے آرہا ہے' اس سے پہلے ایک سوال اور تفصیلی جواب لکھا جاتا ہے جس میں خواتین کے طریقۂ نماز کا مَردوں کے طریقۂ نماز سے جدا ہونا احادیث طیبہ اور آثارِ صحابہ سے (ثابت) کیا گیا ہے اور یہ اس بنا پر لکھا جارہا ہے کہ اکثر غیر مقلد مسلمانوں کو خصوصاً خواتین کو یہ تاثر دیتے رہتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کے نماز ادا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ چنانچہ ان کی غیر مقلد عورتیں مردوں کی طرح نمازیں ادا کرتی ہیں اور یہ محض ناواقفیت پر مبنی ہے۔ لہٰذا اس تفصیلی وضاحت کے بعد غیر مقلد عورتوں کو ان احادیث وآثار کی پیروی کرنی چاہیے اور حق کو قبول کرنا چاہیے' اور حنفی مذہب رکھنے والی خواتین کو پورا اطمینان رکھنا چاہیے کہ ان کا طریقہ بالکل صحیح ہے اور شریعت کے مطابق ہے۔ لیجیے سوال وجواب پڑھیے۔

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ لڑکی حنفی مذہب سے تعلق رکھتی ہے' اس کا شوہر غیر مقلد ہے اور وہ اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تم مردوں کی طرح نماز پڑھا کرو' عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں سے جدا ہونا بالکل ثابت نہیں ہے۔ اب آپ بتائیے کہ حنفی لڑکی کو شوہر کے مطابق اپنی نماز مردوں کی طرح پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ اور نیز حنفی مذہب میں عورت کی نماز کا طریقہ مردوں کی نماز کے طریقے سے جدا ہونا احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ مفصل اور مدلل جواب دے کر مطمئن فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ.

احقر عبدالحلیم' ڈھرکی سندھ' (خواتین کا طریقۂ نماز' صفحہ ۳۶-۳۷)

جواب اس کے جواب میں مولانا سکھروی صاحب فرماتے ہیں: ''مذکورہ صورت میں

اہل حدیث شوہر کا اپنی حنفی بیوی کو مردوں کے طریقے سے نماز پڑھنے پر مجبور کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ عورتوں کی نماز کا طریقہ بالکل مردوں کی طرح ہونا کسی بھی حدیث سے صراحۃً ثابت نہیں، بلکہ خواتین کا طریقۂ نماز مردوں کے طریقے سے جدا ہونا بہت سی احادیث اور آثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت ہے اور چاروں ائمہ فقہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں۔ تفصیل ذیل میں ہے۔''

ہمارا جواب: اس میں مولانا موصوف نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ ''عورتوں کی نماز کا طریقہ، بالکل مردوں کی طرح ہونا کسی بھی حدیث سے صراحۃً ثابت نہیں ہے۔''

دوسری بات لکھی ہے: ''بلکہ خواتین کا طریقۂ نماز مردوں کے طریقے سے جدا ہونا بہت سی احادیث وآثارِ صحابہ وتابعین سے ثابت ہے۔''

تیسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ چاروں ائمہ فقہ اس پر متفق ہیں۔

اس سلسلے میں ہماری پہلی گزارش یہ ہے کہ موصوف کو احادیث کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین کے ذکر کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے؟ ہمارے نزدیک اس کی وجہ محض وزن بڑھانا یا رعب ڈالنا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صحیح سند سے مروی ایک حدیث بھی اس مسئلے میں علمائے احناف کے پاس نہیں ہے اور ایسا ہی معاملہ آثارِ صحابہ وتابعین کا ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر ہمارے دعوے کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ **بعون اللہ و توفیقہ.**

دوسری گزارش یہ ہے کہ موصوف نے فرمایا ہے: ''عورتوں کی نماز کا طریقہ بالکل مردوں کی طرح ہونا کسی بھی حدیث سے صراحۃً ثابت نہیں ہے۔''

یہ بات ایک حد تک صحیح ہے، لیکن اس کا مطلب غلط لیا گیا ہے۔ یعنی **کلمة الحق ارید بها الباطل** ''بات صحیح ہے، لیکن اس سے مراد باطل لیا گیا ہے'' کے مصداق اس بات

کو سمجھنے کے لیے ایک بنیادی نکتے کو سمجھنا ضروری ہے۔

اسلام کی رُو سے عورت کا دائرۂ کار گھریلو امور خانہ' حمل و رضاعت اور بچوں کی نگرانی وحفاظت تک محدود ہے۔ اور مرد کا دائرہ کار معاشی جدوجہد اور تمام بیرونی معاملات (سیاست' امور جہانبانی' جہاد وقتال وغیرہ) تک وسیع ہے۔ اس لیے شریعت نے مرد و عورت دونوں کو ان کی الگ الگ ذمے داریوں اور طبعی اوصاف کا لحاظ کرتے ہوئے ایک دوسرے سے مختلف احکام بھی دیے ہیں۔ لیکن جہاں جداگانہ صلاحیتوں اور اسی کے حساب سے مختلف فرائض کا مسئلہ نہیں ہے' وہاں ان دونوں کے لیے مشترکہ احکام بھی دیے ہیں۔ اس اعتبار سے احکام کی تین صورتیں بنتی ہیں۔

۱- وہ احکام' جن کا تعلق مرد کے دائرۂ عمل اور اس کی منفرد خصوصیات اور صلاحیتوں اور اس کے خاص فرائض وواجبات سے ہے۔

۲- وہ احکام' جن کا تعلق عورت کے دائرۂ عمل اور اس کی صنفی خصوصیات اور اس کے خاص فرائض وواجبات سے ہے۔

۳- وہ احکام' جن کا تعلق کسی بھی خصوصی صنف یا اس پر مبنی مسائل سے نہیں ہے' بلکہ وہ عام ہیں جن کو مرد وعورت دونوں یکساں طور پر کر سکتے ہیں۔ کسی کی بھی صنفی خصوصیات ان کے کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتیں' اس لیے شریعت نے بھی ان کے لیے الگ الگ احکام تجویز نہیں کیے۔

اوّل الذکر قسم کے احکام کے مکلّف صرف مرد ہیں اور ان میں مخاطَب بھی وہی سمجھے جائیں گے۔

ثانی الذکر قسم کے احکام کی مکلّف صرف عورتیں ہیں اور ان میں مخاطَب وہی سمجھی جائیں گی۔ البتہ ثالث الذکر قسم کے احکام کے دونوں ہی مکلّف اور دونوں ہی ان کے

مخاطَب سمجھے جائیں گے۔

ایمان و اعتقاد' عبادات اور اخلاقیات کی تمام تعلیمات' اسی تیسری قسم میں داخل ہیں اور دونوں ہی ان کے یکساں طور پر مکلّف اور مخاطَب ہیں۔ الا یہ کہ شریعت ان میں سے کسی حکم سے کسی ایک کو مستثنیٰ کر دے۔ جب تک کوئی استثناء کسی صحیح دلیل (قرآن کی آیت یا صحیح حدیث) سے ثابت نہیں ہوگا' مرد وعورت دونوں کے لیے ایک ہی حکم ہوگا۔

جیسے اقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوٰۃ میں نماز وزکوٰۃ کا حکم ہے' اس میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں۔ اس لیے دونوں ہی اس کے مکلّف ہیں اور ان کا طریقۂ ادائیگی بھی دونوں کے لیے یکساں ہوگا جب تک کسی ایک صنف کے لیے کوئی خاص استثناء ثابت نہیں ہوگا۔

جیسے عورت کے لیے استثناء ہے کہ حیض ونفاس کے ایام میں اس کے لیے نماز معاف ہے' نماز میں سر کا ڈھانپنا اس کے لیے ضروری ہے۔ امام بھول جائے تو امام کو متنبہ کرنے کے لیے مرد سبحان اللہ کہے اور عورت تصفیق کرے (یعنی ہتھیلی پر ہتھیلی مارے' سبحان اللہ نہ کہے) یا اور بھی جو استثناء ثابت ہے' اس میں فرق ہوگا' اس کے علاوہ کوئی فرق نہیں ہوگا۔

﴿یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام﴾ ''اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے۔'' آمنوا اور علیکم' دونوں جمع مذکر کے صیغے ہیں' اس کے باوجود اس کے مخاطب صرف مومن مرد ہی نہیں' مومن عورتیں بھی ہیں۔ دونوں کے لیے رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔ الا یہ کہ کسی کے لیے استثناء ثابت ہو۔ اس حکم صیام میں عورت کے لیے یہ استثناء ثابت ہے کہ وہ حیض ونفاس کے ایام میں روزے نہیں رکھ سکتی۔ اس کے علاوہ وہ روزے کے دیگر احکام میں مرد کے ساتھ شامل ہوگی۔

﴿یا ایھا الذین آمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار﴾ (التوبۃ: ۱۲۳)

''اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں۔'' اس میں اہل ایمان سے خطاب کر کے ان کو جہاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ حکم چونکہ مرد کے دائرۂ عمل سے تعلق رکھتا ہے' اس لیے اس حکم کی مخاطَب مومن عورتیں نہیں ہیں۔ وعلیٰ هذا القياس دیگر احکام و مسائل ہیں۔

اس بنیادی نکتے کی روشنی میں ہم عرض کریں گے کہ نماز ایک عبادت ہے' اس کا حکم مرد و عورت دونوں کو ہے' دونوں اس کو ادا کرنے کے پابند ہیں۔ یہ دونوں نماز کس طرح ادا کریں گے؟ بالکل اس طرح' جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اس کو ادا کیا ہے یا ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ادائیگی کے طریقے میں دونوں کے درمیان کوئی فرق کرنا جائز نہیں ہوگا' سوائے اس فرق کے جس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں ملے گی۔ اور حدیث رسول میں ہمیں سوائے اِن فروق کے اور کوئی فرق نہیں ملتا۔ وہ فرق حسب ذیل ہیں۔

① عورت' سر ڈھانپ کر نماز پڑھے۔

② عورت سبحان اللہ کہنے کی بجائے تصفیق کرے۔

③ عورت کے لیے مسجد میں آ کر باجماعت نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

④ عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی۔

اس لیے مولانا سکھروی صاحب کا یہ کہنا کہ ''عورتوں کی نماز کا طریقۂ بالکل مردوں کی طرح ہونا کسی بھی حدیث سے صراحۃً ثابت نہیں ہے۔'' بڑا عجیب ہے۔ کیونکہ اس کی صراحت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جب شریعت نے دونوں کے درمیان فرق کیا ہی نہیں ہے' تو صاحب شریعت یہ کس طرح فرما سکتے تھے کہ عورتوں کا طریقۂ نماز بالکل مردوں کی طرح ہے۔

اس کی مثال اس طرح سمجھی جا سکتی ہے' شریعت نے مرد اور عورت دونوں کو رمضان

المبارک کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن ان دونوں کے احکام کے درمیان کوئی فرق بیان نہیں کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک مومن مرد روزہ رکھے گا' بالکل اسی طرح ایک مومن عورت بھی روزہ رکھے گی۔ لیکن کچھ لوگ عورت کے لیے مرد سے مختلف احکام گھڑ لیں۔ اس کی دلیل ان سے پوچھی جائے تو وہ کہیں کہ عورتوں کے روزے رکھنے کا طریقہ بالکل مردوں کی طرح ہونا کسی بھی حدیث سے صراحۃً ثابت نہیں ہوتا۔ ایمانداری سے فرمایئے' یہ کوئی دلیل ہے؟ یا اس ''دلیل'' سے مرد و عورت کے درمیان خود ساختہ فرق ثابت ہو جائے گا؟ فرق تو تب ثابت ہو گا جب آپ نصوصِ شریعت (قرآن کریم یا احادیث) سے اس فرق کو ثابت کریں گے۔

بنابریں اگر مولانا موصوف کا یہ دعویٰ صحیح ہوتا کہ ''خواتین کا طریقۂ نماز' مردوں کے طریقے سے جدا ہونا بہت سی احادیث اور آثار صحابہ وتابعین سے ثابت ہے۔'' تو پھر ان کو الفاظ کے یہ طوطا مینا اڑانے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ لیکن چونکہ ان کو اپنی پیش کردہ احادیث کی حقیقت کا علم ہے' گو وہ اپنے عوام کو اندھیرے میں رکھے ہوئے ہیں' اس لیے وہ مختلف قسم کی سخن سازی پر مجبور ہیں۔

تیسرا دعویٰ ان کا ہے کہ چاروں ائمہ فقہ اس بات پر متفق ہیں۔ اس دعوے کو بھی ثابت کرنے کے لیے موصوف نے جو کرتب دکھائے ہیں اور جس بازی گری کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کو ہم اس کے مقام پر' جب اس دعوے کی حقیقت پر گفتگو ہو گی' واضح کریں گے۔

احادیث وآثارِ صحابہ وتابعین کی اصل حقیقت

اب ہم سب سے پہلے ان دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جو انہوں نے احادیث وآثارِ صحابہ کے نام سے پیش کیے ہیں۔ لیجیے ملاحظہ فرمایئے اور ان کی خوفِ الٰہی سے بے نیازی پر بھی خون کے آنسو رویئے۔

مولانا سکھروی صاحب کے دلائل - پہلی دلیل:

[عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انه سئل کیف کان النساء یصلین علٰی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال کن یتربصن (یتربعن؟) ثم اُمرن ان یحتفزن]

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ خواتین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں کس طرح نماز پڑھتی تھیں تو انھوں نے فرمایا کہ پہلے چار زانو ہو کر بیٹھتی تھیں پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر نماز ادا کریں۔'' (جامع المسانید' ص: ۴۰۰' ج:۱)۔ (خواتین کا طریقۂ نماز' ص: ۳۸)

اولاً: موصوف نے مذکورہ حوالے کے ساتھ یہ پہلی حدیث پیش کی ہے۔ اس میں پہلے چار زانو ہو کر بیٹھنے کا کیا مطلب اور کیا طریقہ ہے؟ اسی طرح خوب سمٹ کر نماز ادا کریں' کا کیا مطلب ہے؟ کب سمٹنا ہے؟ کس طرح سمٹنا ہے؟ موصوف نے ان چیزوں کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ کم از کم ہماری سمجھ میں دونوں باتیں نہیں آئیں۔

ثانیاً: تلاش بسیار کے باوجود ہمیں یہ حدیث نہیں ملی' محولہ بالا' کتاب میں نہ دیگر مظان میں۔ اگر موصوف اس کا مکمل حوالہ پیش کر دیں تو ہم ان کے ممنون ہوں گے۔ کیونکہ جب تک یہ کسی کتاب میں نہیں ملے گی' اس کی اسنادی حیثیت واضح نہیں ہو گی اور اس کی اسنادی حیثیت کی وضاحت کے بغیر یہ کسی کام کی نہیں۔ نہ اسے حدیث رسول ہی تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اگر واقعی یہ حدیث ہے تو اس کا ماخذ اور حوالہ کیا ہے؟ گویا پہلی دلیل ہی حوالے اور اتے پتے کے بغیر ہے' یوں موصوف کی ساری کاوش سچ مچ اس شعر کی مصداق ہے۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

دوسری دلیل:

[وعن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال' قال لی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه

وسلم: یا وائل بن حجر! اذا صلّیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک والمرأۃ تجعل یدیھا حذاء ثدییھا]

''حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا طریقہ سکھایا' تو فرمایا کہ اے وائل بن حجر! جب تم نماز شروع کرو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے ہاتھ چھاتیوں تک اٹھائے۔'' (مجمع الزوائد' ص: ۱۰۳' ج:۲)۔(خواتین کا طریقۂ نماز)

جواب یہ حدیث' واقعی محولہ کتاب میں موجود ہے۔ لیکن وہاں اس حدیث کے بعد یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ (وفیہ) ام یحیٰی بنت عبدالجبار لم اعرفھا۔ ''اس روایت کی سند میں ایک راویہ ام یحیٰی ہے جسے میں نہیں جانتا۔''

موصوف کی علمی دیانت دیکھیے کہ وہاں' جہاں سے انہوں نے یہ نقل کی ہے' یہ صراحت موجود ہے کہ اس میں ایک راویہ مجہول ہے۔ اس کے بعد اسے حدیث رسول کہہ کر بیان کر دیا ہے۔ حالانکہ جس سند میں ایک راوی بھی مجہول ہو' وہ حدیث ناقابل حجت ہوتی ہے۔ اس کو استدلال میں پیش کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور یہ اصول موصوف کو بھی معلوم ہے' اسی لیے انہوں نے یہ چابک دستی کی کہ صاحب کتاب علامہ ہیثمی نے تو اس کی اسنادی حیثیت کو واضح کر دیا' لیکن موصوف نے اسے حذف کر دیا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا گیا ہے۔

ہیں کواکب کچھ' نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

اسے حدیث رسول کہنا اور اس سے مسئلہ ثابت کرنا' بڑی دیدہ دلیری اور نہایت شوخ چشمانہ جسارت ہے۔ ع یہ انہی کا کام ہے جن کے حوصلے ہیں زیاد

تیسری دلیل:

[عن یزید بن حبیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی امرأتین

تصلّیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة لیست فی ذلک کالرجل]

''رسول اللہ ﷺ دوعورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں' آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کے بعض حصوں کو زمین میں چمٹا دو' اس لیے کہ ان میں عورت مرد کے مانند نہیں ہے۔''

(السنن للبیھقی، ص:۲۲۳' ج:۲-اعلاء السنن بحوالہ مراسیل ابی داود' صفحہ ۱۹' ج:۳)

جواب یہ روایت مرسل ہے اور وہ بھی سنداً صحیح نہیں۔ اوّل تو محدثین کے نزدیک مرسل روایت ہی ناقابل حجت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں تابعی رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت کرتا ہے حالانکہ اس نے تو نبی ﷺ سے وہ حدیث نہیں سنی ہوتی۔ اس تابعی نے وہ حدیث کس سے سنی؟ اس کا وہ ذکر نہیں کرتا۔ اس میں بھی یزید بن حبیب تابعی ہے لیکن وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کر رہا ہے' درمیان کے واسطے کا وہ ذکر ہی نہیں کر رہا۔ اسی لیے محدثین مرسل روایت کو منقطع بھی کہتے ہیں۔ اور منقطع روایت نامقبول ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ایک راوی سالم ہے جو متروک ہے۔ بنابریں یہ روایت بھی محدثانہ اصول کی روشنی میں ناقابل اعتبار اور ناقابل حجت ہے۔ اسی لیے خود امام بیہقی نے بھی اسے منقطع کہہ کر ہی اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

چوتھی دلیل:

[عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلست المرأة للصلٰوة وضعت فخذها علی فخذها الاخریٰ و اذا سجدت الصقت بطنها فی فخذیها کا سترما یکون لها و ان اللہ تعالیٰ ینظر الیها ویقول یا ملائکتی اشهدکم انی قدغفرت لها]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نماز کے دوران جب عورت بیٹھے تو اپنی ایک ران کو دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ میں جائے تو اپنے پیٹ کو اپنی دونوں رانوں سے ملا لے اس طرح کہ اس سے زیادہ سے زیادہ ستر ہو سکے اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! تم گواہ رہو' میں نے اس عورت کی بخشش کر دی۔'' (خواتین کا طریقۂ نماز' ص: ۴۰'۴۱)

جواب سبحان اللہ! اس حنفی طریقۂ نماز کی کتنی فضیلت ہے؟ لیکن مولانا سکھروی صاحب نے اتنی ''اہم حدیث'' کا کوئی حوالہ ہی نہیں دیا اور اسے بغیر حوالے کے اس کتاب میں نقل کر دیا ہے۔ ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ ہمارے خیال میں اس کی وجہ اس کا حدیث رسول نہ ہونا ہے۔ کیونکہ یہ روایت سنن الکبریٰ للبیہقی میں موجود ہے لیکن امام بیہقی نے اس کی بابت کہا ہے۔ [لا یحتج بامثالھا] ''یہ سخت ضعیف ہے اس جیسی روایت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔'' اس کے بعد انہوں نے اس روایت کے سب سے اہم راوی ابو مطیع الحکم بن عبداللہ کی بابت کہا ہے: ''اس کی حدیثیں واضح طور پر ضعیف ہوتی ہیں اور اس کی اکثر روایت کردہ حدیثوں کی متابعت نہیں کی جاتی۔ اسے امام یحییٰ بن معین وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

اس روایت کی بابت یہ ساری تفصیل اسی جگہ پر موجود ہے جس جگہ سے اسے نقل کیا گیا ہے اور وہ ہے امام بیہقی کی السنن الکبریٰ' ج: ۲' ص: ۲۲۲' ۲۲۳' طبع قدیم اور طبع جدید کا صفحہ ہے ۳۱۴' ۳۱۵' ج: ۲- لیکن مولانا سکھروی صاحب نے اس کا حوالہ دینا ہی مناسب نہیں سمجھا۔ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔

پانچویں دلیل:

[عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التسبیح

للرجال والتصفيق للنساء] (ترمذی، صفحه : ۸۵، سعید کمپنی، مسلم شریف، صفحه : ۱۸۱، ج : ۱)

''حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے (کہ اگر نماز کے دوران کوئی ایسا امر پیش آ جائے جو نماز میں حارج ہو تو) مردوں کے لیے یہ ہے کہ وہ تسبیح کہیں اور عورتیں صرف تالی بجائیں۔''

جواب یہ حدیث صحیح ہے، اس لیے اس میں مرد اور عورت کے لیے جو فرق بتلایا گیا ہے، اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب عورتیں بھی مسجد میں مردوں کے ساتھ جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ جیسے نبی ﷺ کے زمانے میں عورتیں بھی مسجد نبوی میں آ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں۔ مردوں کی صفیں آگے ہوتی تھیں اور عورتوں کی صفیں پیچھے۔ اس حدیث میں نبی ﷺ نے حکم دیا ہے کہ امام بھول جائے تو اسے متنبہ کرنے کے لیے مرد سبحان اللہ کہیں۔ اور مردوں میں سے کوئی نہ بولے تو عورتیں تالی بجا کر امام کو متنبہ کریں۔ لیکن ہم مولانا سکھروی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ اس حدیث کو مانتے ہیں؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ اس صحیح حدیث کو نہیں مانتے۔ کیونکہ اس حدیث کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو بھی مسجد میں آ کر نماز باجماعت پڑھنے کی اجازت ہو۔ نبی ﷺ نے تو یہ اجازت دی ہے، اسی لیے آپ نے مذکورہ حکم بھی بیان فرمایا۔ لیکن فقہ حنفی میں یہ اجازت ہی نہیں ہے کہ عورت مسجد میں آ کر باجماعت نماز پڑھے۔ جب ایسا ہے تو اس کا واضح مطلب ہے کہ احناف اس حدیث کو نہیں مانتے۔ لیکن اہلحدیث الحمدللہ مانتے ہیں۔

چھٹی دلیل:

[قال ابوبكر بن ابی شیبة سمعتُ عطاء سئل عن المرأة كيف ترفع يديها

فی الصلاة قال حذوثدییها (وقال ایضابعد اسطر) لا ترفع بذلک یدیها کالرجل و اشار فخفض یدیه جداً وجمعها الیه جدا وقال ان للمرأة هیئة لیست للرجل] (المصنف لابی بکر بن ابی شیبة، ص : ۲۳۹، ج : ۱)

''امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ابوبکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے سنا کہ ان سے عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ نماز میں ہاتھ کیسے اٹھائے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اپنی چھاتیوں تک۔ اور فرمایا نماز میں اپنے ہاتھوں کو اس طرح نہ اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں اور انہوں نے اس بات کو جب اشارہ سے بتلایا تو اپنے ہاتھوں کو کافی پست کیا اور ان دونوں کو اچھی طرح ملایا اور فرمایا کہ نماز میں عورت کا طریقہ مردوں کی طرح نہیں ہے۔'' (خواتین کا طریقۂ نماز، ص:۴۱، ۴۲)

جواب یہ دو اثر ہیں، یعنی تابعی کے دو قول ہیں۔ لیکن مولانا سکھروی نے ان دونوں کو ایک بنا کر پیش کیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں اثروں کی سند الگ الگ ہے۔ موصوف نے ان کی سندیں حذف کر دی ہیں۔ تا کہ ان کی اصل حقیقت واضح نہ ہو سکے۔ اس سے قبل اُن روایات میں بھی، انہوں نے تلبیس اور کتمان سے کام لیا تھا، جو انہوں نے احادیث رسول کے نام سے پیش کیں، جن کی حقیقت ہم واضح کر آئے ہیں۔

اس سلسلے میں بھی پہلی گزارش یہ ہے کہ جب مرد و عورت کے درمیان وہ فرق، جو موصوف بیان کرتے ہیں، کسی بھی صحیح حدیث سے وہ ثابت نہیں کر سکے، تو کسی صحابی یا تابعی کے قول سے وہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ سند کے اعتبار سے بھی یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔ پہلے قول کی پوری سند اس طرح ہے۔

[**حدثنا هشیم قال انا شیخ لنا قال سمعت عطاء**] ابوبکر بن ابی شیبۃ کہتے ہیں کہ

ہمیں ہشیم نے بیان کیا' ہشیم نے کہا' ہمیں ہمارے ایک شیخ (استاذ) نے خبر دی' اس شیخ نے کہا' میں نے عطاء سے سنا...... اس سلسلۂ سند سے واضح ہے کہ ابوبکر بن ابی شیبہ (صاحب کتاب ''المصنف'') نے یہ بات حضرت عطاء (تابعی) سے نہیں سنی۔ جب کہ مولانا سکھروی صاحب نے لکھا ہے۔

''امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ ابوبکر بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے سنا......''

درمیان کے دو واسطے موصوف نے چھوڑ دیے۔ ہشیم اور اس کے ایک شیخ کا' عطاء سے سننے والے وہ شیخ ہیں نہ کہ ابوبکر بن ابی شیبہ- اب وہ شیخ کون ہیں؟ اور وہ کیسے ہیں؟ ثقہ ہیں یا ضعیف؟ جب تک اس شیخ کی بابت یہ تفصیل معلوم نہیں ہوگی' یہ قول ضعیف اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگا۔

دوسرے اثر کی سند ہے' حدثنا محمد بن بکر عن ابن جریج قال قلت لعطاء ...... یعنی صاحب کتاب (المصنف) امام ابوبکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بکر نے بیان کیا' انہوں نے ابن جریج سے' ابن جریج نے کہا' میں نے عطاء سے کہا'' آگے وہ قول ہے جو سکھروی صاحب نے نقل کیا ہے۔

اس میں ابن جریج اگرچہ ثقہ راوی ہے۔ لیکن محدثین نے اس کی بابت دو باتوں کی صراحت کی ہے۔ ایک تو یہ کہ ابن جریج اگر کہے سمعت ''میں نے سنا'' یا سألت ''میں نے سوال کیا'' یَا اَخْبَرَنِیْ ''اس نے مجھے خبر دی۔'' تو وہ روایت صحیح ہے۔ لیکن جب وہ کہے کہ ''فلاں نے کہا'' یا ''مجھے خبر دی گئی ہے'' تو ایسی روایات منکر ہیں۔ دوسرے امام ابوبکر کہتے ہیں کہ ''میں نے امام علی بن مدینی کی کتاب میں دیکھا' میں نے یحییٰ بن سعید سے ابن جریج کی اس حدیث کی بابت پوچھا جو وہ حضرت عطاء سے عن سے روایت

کرے؟ تو انہوں نے کہا' وہ حدیث ضعیف ہے۔ میں نے یحیٰی سے کہا' وہ اسے [اخبرنی] کے لفظ سے روایت کرتا ہے' انہوں نے کہا پھر بھی وہ کچھ نہیں' عطاء سے بیان کردہ سب روایات ضعیف ہیں۔'' (دیکھیے ''تہذیب الکمال'' للمزی' ج:۱۲' ص:۶۰-۶۳-دارالفکر' بیروت' لبنان) اس صراحت کی رُو سے یہ دوسرا اثر (قول تابعی) بھی غیر صحیح ہے کیونکہ یہ ایک تو لفظ قال سے ہے۔ دوسرے' یہ عطاء سے بیان کرتا ہے' اور ابن جریج کی وہ روایت جو وہ عطاء سے سے کرے' چاہے [اَخْبَرَنِیْ] سے ہی کرے' وہ کسی کام کی نہیں۔

علاوہ ازیں اسی بات اور اسی صفحے پر دو اثر اور ہیں' ان سے عورت کے لیے بھی ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھانے ہی کا اثبات ہوتا ہے' ملاحظہ فرمائیے!

حضرت عبدربہ بن زیتون کہتے ہیں:

[رأیت ام الدرداء ترفع کفیھا حذو منکبیھا حین تفتتح الصلاۃ فاذا قال الامام' سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیھا' قالت اللھم ربنا لک الحمد]

''میں نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ جب وہ نماز شروع کرتیں تو اپنی ہتھیلیاں' اپنے کندھوں تک اٹھاتیں۔ اور جب امام (رکوع سے اٹھتے ہوئے) [سمع اللہ لمن حمدہ] کہتا' تو اپنے ہاتھ (کندھوں تک) اٹھاتیں (یعنی رفع الیدین کرتیں) اور کہتیں' اللھم ربنا لک الحمد.''

دیکھیے اس اثر میں ایک صحابیہ کا وہ عمل بیان ہو رہا ہے جس میں اہلحدیث کے موقف کی واضح تائید ہے۔

دوسرا اثر ہے۔ اس میں امام اوزاعی' امام زہری سے روایت کرتے ہیں کہ امام زہری نے کہا۔ ترفع یدیھا حذو منکبیھا' ''عورت اپنے ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھائے۔''

اس میں بھی اہلحدیث ہی کی تائید ہے۔ یہ دونوں اثر مصنّف ابن ابی شیبہ کے اسی صفحے

پر موجود ہیں جن سے حدیث رسول [صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ] کی تائید ہو رہی ہے۔

علاوہ ازیں صحیح بخاری میں حضرت ام درداء کا یہ عمل بھی موجود ہے کہ وہ نماز میں مردوں ہی کی طرح بیٹھتی تھیں [و کانت ام الدردا تجلس فی صلاتها جلسة الرجل] (صحیح بخاری، الاذان، باب سنة الجلوس فی التشهد، حدیث : ۸۲٦ کے بعد) ''حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا اپنی نماز میں اس طرح بیٹھی تھیں جیسے مرد بیٹھتے ہیں اور وہ فقیہہ تھیں۔''

اس سے مراد تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت ہے۔ یعنی تشہد وغیرہ میں عورت اور مرد دونوں میں سے کوئی بھی چار زانوں نہیں بیٹھے گا بلکہ دونوں ہی سنت کے مطابق بیٹھیں گے اور سنت کے مطابق بیٹھنا کس طرح ہے؟ وہ امام بخاری نے اس باب کے تحت احادیث سے بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے تشہد میں بیٹھ کر دائیں پیر کو کھڑا رکھنا ہے اور بائیں پیر کو اندر کی طرف موڑنا ہے اور آخری تشہد میں بائیں پیر کو آگے نکالنا ہے اور دائیں پیر کو کھڑا رکھنا اور چوتڑوں پر بیٹھنا ہے۔ اس کو حدیث میں تورُّک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کو امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمۃ الباب میں لانے سے مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ اس مسئلے میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

مولانا سکھروی کی ساتویں دلیل:

[حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحاق و عن الحارث عن علی رضی اللہ عنہ قال اذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها]

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا جب عورت سجدہ کرے تو سرین کے بل بیٹھے اور اپنی رانوں کو ملا لے۔''

آٹھویں دلیل:

[عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انه سئل عن صلاة المرأة فقال تجتمع و تحتفز]

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ (سب اعضاء کو) ملا لے اور سرین کے بل بیٹھے۔'' (خواتین کا طریقۂ نماز' ص:۴۲-۴۳)

جواب نمبر ۷ اور ۸: حضرت علی کا پہلا اثر سنن بیہقی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔ لیکن وہاں صرف [فلتضم فخذیھا] کے الفاظ ہیں [فَلْتَحْتَفِزْ] نہیں ہے۔ ثانیاً اس روایت میں حضرت علی سے روایت کرنے والا حارث بن عبداللہ الاعور ہے' جس کی بابت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ رفض کے ساتھ متہم ہے' علاوہ ازیں اس کی حدیث میں ضعف ہے اور بعض محدثین نے اس کو کذّاب کہا ہے۔ (تقریب وتہذیب الکمال' ترجمہ حارث بن عبداللہ الاعور) گویا یہ اثر سند کے اعتبار سے ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔

آٹھواں اثر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے جس کا کوئی حوالہ درج نہیں۔ ہم نے اپنے طور پر کچھ مظان دیکھے' لیکن یہ اثر نہیں ملا۔ ظاہر بات ہے ایسے اثر کی کیا حیثیت ہے؟ علاوہ ازیں اس میں کس کیفیت کا بیان ہے؟ اس کی بھی وضاحت نہیں۔ عربی کے جو الفاظ ہیں اس کا ترجمہ تو ہے ''وہ مجتمع ہو جائے اور سکڑ جائے'' لیکن وہ کب مجتمع ہو اور کب سکڑے؟ اس کی کوئی وضاحت نہیں ہے۔ مولانا سکھروی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ ''(سب اعضاء کو) ملا لے اور سرین کے بل بیٹھے۔''

لیکن یہ ترجمہ الفاظ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بہر حال ترجمے اور اس کے مفہوم پر بحث تو بعد کی بات ہے' پہلے اس کا حدیث یا صحابی کا اثر (قول) ہونا تو ثابت کیا جائے۔

سجدے کی کیفیت کے بارے میں بالکل واضح فرمانِ رسول اور عمل نبوی:

مذکورہ غیر مستند آثارِ صحابہ کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان دیکھیے جس میں

نہایت واضح الفاظ میں سجدے کی مذکورہ کیفیت سے منع فرمایا گیا ہے جس کا اثبات احناف کی طرف سے عورتوں کیلئے کیا جارہا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[اِعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ : وَلَا یَنْبَسِطُ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَیْهِ اِنْبِسَاطَ الْکَلْبِ]

(صحیح بخاری، الاذان، باب یفترش ذراعیه فی السجود، حدیث : ۸۲۲- صحیح مسلم، الصلاة، باب الاعتدال فی السجود، ووضع الکفین علی الارض ورفع المرفقین عن الجنبین و رفع البطن عن الفخذین فی السجود، حدیث : ۴۹۳، به ترقیم فواد عبدالباقی)

"سجدے میں اعتدال اختیار کرو، اور تم میں سے کوئی شخص اپنے بازو (زمین پر) اس طرح نہ بچھائے جیسے کتا بچھاتا ہے۔"

اس حدیث میں نبی ﷺ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے سجدے کی حالت میں اپنے بازوؤں کو زمین پر بچھانے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس طرح کرنے کو کتے کے بیٹھنے کے ساتھ تشبیہ دی۔ آپ کے اس خطاب میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ ہاں اگر عورتوں کے لیے سجدے کی الگ کیفیت حدیث سے ثابت ہوگی، تو پھر عورتیں اس میں شامل نہیں ہوں گی۔ لیکن کسی بھی حدیث میں عورتوں کے لیے سجدے کے احکام مردوں سے الگ اور مختلف بیان نہیں کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ گزشتہ گفتگو سے واضح ہے۔

اس حدیث پر امام بخاری اور مسلم میں امام نووی نے جو باب باندھے ہیں، اس سے سجدے کی کیفیت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے پہلے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے، جس میں انہوں نے نبی ﷺ کی پوری نماز -صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع میں- بیان فرمائی، سجدے کی کیفیت والا یہ ٹکڑا بیان کیا ہے۔

[وقال ابو حمید : سجد النبی ﷺ ووضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما] (صحیح بخاری' حوالۂ مذکور)

''ابوحمید رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی ﷺ نے سجدہ کیا اور اپنے ہاتھ (زمین پر اس طرح رکھے کہ) وہ نہ بچھے ہوئے تھے اور نہ پہلوؤں کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔''

امام نووی نے صحیح مسلم میں اس حدیث پر جو باب باندھا ہے' جو پہلے حوالے میں درج ہے' اس سے سجدے کی مطلوبہ کیفیت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''سجدے میں اعتدال کا بیان' نیز سجدے میں دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر رکھنے' کہنیوں کو پہلوؤں سے بلند رکھنے اور پیٹ کو دونوں رانوں سے اٹھا کر رکھنے کا بیان۔''

سجدے میں اعتدال کا کیا مطلب ہے؟ حافظ ابن حجر نے کہا: یعنی ''افتراش'' (بازو زمین پر بچھا دینے) اور قبض (کہنیوں کو پہلوؤں کے ساتھ ملانے) کے درمیان اعتدال و توسط اختیار کرو۔'' اور امام ابن دقیق العید کہتے ہیں: ''یہاں اعتدال سے مراد شاید سجدے کو اس ہیئت اور کیفیت کے مطابق کرنا ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔'' (فتح الباری' ج : ۲' ص : ۳۹۰' باب مذکور' مطبوعہ دارالسلام- الریاض)

اس مختصر تفصیل سے نبی ﷺ کے سجدے کی کیفیت بھی واضح ہو جاتی ہے اور آپ کا وہ حکم بھی' جس میں آپ نے بلاتفریق مرد و عورت' سب کو اسی طرح سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے جیسے آپ خود کیا کرتے تھے۔

بے بنیاد دعویٰ

مذکورہ آٹھ دلائل ذکر کرنے کے بعد (جن کی حقیقت ہم نے واضح کر دی ہے) مولانا سکھروی صاحب فرماتے ہیں:

''مذکورہ بالا احادیث اور آثارِ صحابہ و تابعین سے عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں کی

نماز سے واضح طور پر مختلف ہونا ثابت ہوا۔ اب اس بارے میں ائمہ فقہ کے مسلک ملاحظہ فرمائیں۔'' (ص:۴۳)

لیکن ہم عرض کریں گے کہ احادیث تو کجا' موصوف مسئلہ زیر بحث میں ایک حدیث بھی پیش نہیں کر سکے۔ احادیث کے نام سے انہوں نے جو کچھ پیش کیا ہے' انہیں احادیث کہنا اور احادیث باور کرانا' جہنم کی وعید کا مستحق بننا ہے۔ اس لیے ہم پورے اخلاص اور خیر خواہانہ جذبے سے عرض کریں گے کہ ان کا مسلک کسی حدیث پر قطعاً مبنی نہیں ہے۔ وہ اس مسئلے میں حدیث کا حوالہ دینا چھوڑ دیں اور یہ باور کرانا ترک کر دیں کہ احناف کا یہ مسئلہ احادیث کے مطابق ہے۔ یہی صورت حال آثارِ صحابہ و تابعین کی ہے کہ سند کے اعتبار سے وہ بھی ضعیف اور نا قابل حجت ہیں۔

عالم عرب کے حنفی علماء کی علمی دیانت یا اعترافِ عجز:

گزشتہ چند سالوں میں عالم عرب سے تین کتابیں چھپ کر آئی ہیں۔ تینوں کتابوں کا موضوع یہ ہے کہ حنفی فقہ کے سارے مسائل قرآن و حدیث کے مطابق ہیں۔ تینوں مؤلفین نے اس بات کے اثبات پر پورا زور صرف کیا ہے۔ ہم نے ان تینوں کتابوں میں مرد و عورت کی نماز کے فرق کے دلائل بطور خاص کوشش کر کے دیکھے' کیونکہ تینوں مؤلفین کا مقصد ہی اس تأثر یا حقیقت کی نفی کرنا ہے کہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ قرآن یا حدیث کے خلاف ہے۔ لیکن تینوں کتابیں دیکھنے کے بعد ہمیں سخت مایوسی ہوئی۔ کیونکہ تینوں نے مرد و عورت کی نماز کے درمیان فرق تو بیان کیا ہے۔ لیکن سوائے ایک مرسل روایت کے اور کوئی حدیث ان میں سے کسی نے بیان نہیں کی۔ سب نے صرف ایک عقلی دلیل کا سہارا لیا ہے کہ عورت کے لیے اس میں پردہ زیادہ (اَستَر) ہے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عالم عرب سے تعلق رکھنے والے حنفی علماء نے اس بات

کو تسلیم کر لیا ہے کہ اس مسئلے میں کوئی حدیث نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو یقیناً وہ اسے پیش کرتے، کیونکہ ان کا تو مقصد تالیف ہی حنفی فقہ کے مسائل کو قرآن و حدیث کے مطابق ثابت کرنا ہے۔

دوسری بات یہ واضح ہوئی کہ عرب کے حنفی علماء پاک و ہند کے حنفی علماء کے مقابلے میں امین اور دیانت دار ہیں، ان عربی علماء کی یہ ضرورت تھی کہ وہ عورتوں کے حنفی طریقۂ نماز کو حدیث سے ثابت کرتے۔ لیکن چونکہ واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں ایسی ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے، اس لیے انہوں نے سرے سے کوئی حدیث ہی پیش نہیں کی۔ ان کے برعکس ہمارے پاک و ہند کے مرصّع و مقطّع، اصحابِ جُبّہ و دستار علماء امانت و دیانت علمی سے عاری ہیں اور اِفتاء و حدیث کی مسند پر بیٹھ کر جھوٹی اور بالکل ضعیف (بے سر و پا روایات) کو احادیث باور کرنے پر اپنا زورِ قلم صرف کر رہے ہیں۔ فانا للّٰه و انا الیه راجعون.

کیا یہ وہی یہودیانہ تلبیس نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

﴿فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللّٰه﴾ (البقرة : ۷۹)

''ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔''

بہرحال اب ان تینوں کتابوں کے نام (مع مکمل تعارف) اور ان کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ ان میں سے ایک کتاب ہے، جس کا نام ہے۔

الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید

صیاغة جدیدة و میسّرة للاحکام الشرعیة علی مذھب الامام ابی حنیفة

مع ذکر الدلیل من الکتاب والسنۃ (۵ جلدیں)

اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''فقہ حنفی، نئے قالب میں

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق شرعی احکام کی تسہیل اور آرائش نو، کتاب و سنت کے دلائل کے ساتھ۔''

مصنف کا نام ہے، عبدالحمید محمود طہماز- مطبوعہ الدارالشامیۃ بیروت، طبع اُولی ۱۹۹۸ء-

اس کتاب کے مؤلف نے مرد و عورت کی نماز کے درمیان پانچ فرق بیان کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں، ہم صرف ترجمہ پیش کر رہے ہیں:

''نماز کی پہلی سنت: تکبیر تحریمہ سے پہلے رفع الیدین کرنا، مرد کانوں کے برابر تک دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اور عورت کندھوں کے برابر تک، اس لیے کہ اس میں عورت کے لیے زیادہ پردہ ہے۔''

برصغیر کے علمائے احناف چھاتی تک ہاتھ اٹھانا بیان کرتے ہیں۔ ان صاحب نے کندھوں تک بیان کیا ہے۔ بہرحال دلیل کے طور پر مصنف نے جو حدیث پیش کی ہے، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

''مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ اکبر کہتے، تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے برابر تک اٹھاتے۔''

(صحیح مسلم- ۳۹۱) (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، ص: ۲۱۵، ج: ۱)

یہ دلیل تو مردوں کے رفع الیدین کرنے کی ہوگئی۔ لیکن عورتیں کس دلیل کی رُو سے کندھوں تک رفع الیدین کریں؟ یہ دلیل فاضل مصنف نے پیش نہیں کی۔

دوسرا فرق: ''نماز کی چوتھی سنت یہ ہے کہ مرد اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے

نیچے رکھے اور عورت اپنے ہاتھ اپنی چھاتیوں کے نیچے سینے پر رکھے' بغیر ہاتھوں کے پکڑے بلکہ ہتھیلی کے اوپر ہتھیلی رکھے' اس لیے کہ اس میں اس کے لیے زیادہ پردہ ہے۔''

اس کی دلیل میں حسب ذیل حدیث پیش کی ہے۔

''سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں مرد اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں بازو پر رکھیں۔'' (صحیح بخاری' حدیث : ۷٤٠)

اس حدیث میں مرد کے لیے اس حد تک تو دلیل ہے کہ وہ حالت قیام میں اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں بازو پر رکھے۔ لیکن وہ یہ ہاتھ جسم کے کس حصے پر رکھے؟ اس کی کوئی صراحت نہیں۔ اس کے لیے فاضل مصنف نے مسند احمد اور ابوداود کے حوالے سے زیر ناف والا حضرت علی کا اثر نقل کیا ہے' لیکن اس کی بابت خود ہی صراحت کر دی ہے کہ اس کی سند میں کچھ گفتگو ہے۔ [وفی سندہ مقال] (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید' ص: ۲۱۷' ج: ۱) لیکن عورت کے لیے ہاتھ باندھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے' اس کی کوئی دلیل سوائے استر (زیادہ باپردہ) ہونے کے' کوئی اور بیان نہیں کی۔

تیسرا فرق: ''مرد رکوع میں مضبوطی سے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھٹنوں کو پکڑ لے اور کمر کو توڑ دے' یعنی اسے ہموار رکھے' نہ وہ اونچی ہو نہ نیچی۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر مضبوطی سے رکھ لے' ایک اور روایت میں ہے کہ اپنی انگلیاں کشادہ کر لے۔ یہ سارے احکام مردوں کے لیے ہیں۔ لیکن عورت اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ کرے' نہ اپنے گھٹنے پکڑے' بلکہ اپنی انگلیوں کو ملا لے اور اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے اور اپنے گھٹنوں کو خم دے اور اپنے بازوؤں کو اپنے ساتھ ملا کر رکھے۔ اس لیے کہ اس میں اس کے لیے زیادہ پردہ ہے۔

(الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید' ج: ۱ ص: ۲۲۱)

چوتھا فرق: مرد کے لیے سجدے کی کیفیت بیان کرنے کے بعد لکھا ہے۔ ''لیکن عورت سجدہ سمٹ اور دبک کر کرے' اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے اور اپنے بازوؤں کو بھی پہلوؤں کے ساتھ ملا لے۔ اس لیے کہ عورت کے معاملے کی بنیاد ستر (پردے) پر ہے' بنابریں اس کے حق میں وہ طریقہ سنت ہے جو سب سے زیادہ پردے والا طریقہ ہے۔''

اس کی دلیل یہ مرسل روایت ہے (جو پہلے گزر چکی ہے) جسے امام بیہقی ؒ نے بھی منقطع حدیث کہہ کر نقل کیا ہے۔ ''یزید بن ابی حبیب (تابعی) بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں' آپ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنا کچھ گوشت (یعنی پیٹ) زمین سے ملا لیا کرو' اس لیے کہ عورت اس معاملے میں مرد کی طرح نہیں ہے۔'' (ابو داود فی المراسیل)

(الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید' ص : ۲۲۳' ج : ۱)

پانچواں فرق: آخری تشہد میں بیٹھنے کی بابت حضرت ابو حمید ساعدی کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ اپنا بایاں پیر آگے نکال لیتے اور دایاں پیر کھڑا رکھتے اور اپنی سرینوں (چوتڑوں) پر بیٹھ جاتے۔ اس کو تورُّک کر کے بیٹھنا کہتے ہیں۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے' لیکن- الفقه الحنفی فی ثوبه الجدید- کے مؤلف نے اسے مضطرب الاسناد والمتن کہہ کر رد کر دیا ہے۔ گویا ان کے نزدیک مرد آخری تشہد میں بھی تشہد اوّل ہی کی طرح بیٹھے گا۔ اس کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

''لیکن عورت آخری تشہد میں تورُّک کر کے اپنے چوتڑوں پر بیٹھے (یعنی جس کو صحیح حدیث کے باوجود مَردوں کے لیے ردّ کر دیا گیا ہے' اب اسے عورتوں کے لیے عقل کی بنیاد پر ثابت کیا جا رہا ہے) اور ران کو ران پر رکھ لے اور اپنے پیروں کو دائیں چوتڑ کے نیچے سے باہر نکال لے' اس لیے کہ یہ اس کے لیے زیادہ باپردہ ہے۔'' (الفقه الحنفی فی ثوبه

الجدید ص:۲۲۶ ج:۱)

اس حنفی عالم نے عورت کے لیے پانچ فرق بیان کیے ہیں اور کسی بھی فرق کے لیے کوئی حدیث سرے سے پیش ہی نہیں کی۔ صرف سجدے کی کیفیت کے لیے ایک مرسل روایت پیش کی ہے جو محدثین کے نزدیک نا قابل حجت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں اس روایت میں ایک راوی سالم بھی متروک ہے۔ اس اعتبار سے اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ پھر اس میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ تم سجدے میں کچھ گوشت زمین کے ساتھ ملا لیا کرو۔ ان الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ یہ واضح ہی نہیں ہوتا۔ لیکن عورت کے سجدے کے لیے جو تین باتیں بیان کی گئی ہیں اور کی جاتی ہیں کہ

- عورت جھک کر سجدہ کرے۔
- اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے
- اور اپنے بازوؤں کو جمع کر لے

کیا یہ تینوں باتیں ''کچھ گوشت زمین کے ساتھ ملا لو'' میں آتی ہیں؟ آتی ہیں تو کس طرح آتی ہیں؟ اس کی وضاحت مطلوب ہے۔

بہر حال ہم عرض یہ کر رہے ہیں کہ الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید کے مؤلف نے چار فرقوں کے لیے تو یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ان کے پاس ان کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں موجود نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو وہ ضرور پیش کرتے' کیونکہ ان کا تو مقصد تالیف ہی فقہ حنفی کے ہر مسئلے کو کتاب وسنت کے مطابق ثابت کرنا ہے۔ ان چاروں باتوں کے اثبات کے لیے انہیں یہ عقلی سہارا لینا پڑا ہے کہ عورت کے لیے یہ کیفیتیں اَسْتَر (زیادہ باپردہ) ہیں۔ لیکن ان کو یہ توفیق نہیں ملی کہ پہلے وہ یہ اعتراف کرتے کہ ان چاروں (بلکہ پانچوں) مسئلوں کے لیے کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں ہے لیکن ہماری عقلوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ عورت

ان مسئلوں میں اس طرح عمل کرے، کیونکہ ان میں ان کے لیے زیادہ پردہ ہے۔
کیا عقل وقیاس کی بنیاد پر کسی چیز کو فرض وواجب یا سنت ومستحب قرار دیا جا سکتا ہے؟

ہم حنفی علماء سے پوچھتے ہیں کہ جس چیز کی بابت قرآن وحدیث میں کوئی حکم اور کوئی صراحت نہ ہو، کیا اسے عقل وقیاس کی بنیاد پر فرض وواجب یا سنت ومستحب قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر کیا جا سکتا ہے، تو اس کی کیا دلیل ان کے پاس ہے؟ اور اگر نہیں کیا جا سکتا ہے تو انہوں نے آخر کس بنیاد پر یہ فرق تجویز کیا ہے؟

احناف کے پاس صرف سجدے کی کیفیت میں ایک مرسل (اور وہ بھی ضعیف ومنقطع) روایت ہے اور وہ بھی نہایت مبہم۔ اس میں وہ ساری کیفیات ہرگز نہیں آتیں جو عورت کے لیے ضروری قرار دی جاتی ہیں۔ سجدے کی یہ کیفیات بھی گویا خانہ ساز ہیں جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔

دوسرے حنفی عالم کی کتاب اور اس کا تعارف:

اس کا نام ہے۔ ''الفقہ الحنفی وادلتہ'' ''حنفی فقہ اور اس کے دلائل'' مؤلف کا نام ہے، الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی۔ مطبوعہ دار الکلم الطیب، دمشق، بیروت۔ طبع اُولیٰ ۲۰۰۰ء یہ تین جلدوں میں ہے۔

اس کتاب میں عورت کے لیے تین فرق بیان کیے گئے ہیں۔

۱- مرد اپنے ہاتھ ناف کے نیچے رکھے اور عورت ہتھیلی پر ہتھیلی چھاتی کے نیچے رکھے۔ (ص:۱۷۳)

۲- عورت سجدہ جھک کر کرے اور اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے، اس لیے کہ اس کے لیے اس میں زیادہ پردہ ہے۔ (ص:۱۷۴)

۳- عورت اپنی بائیں سرین پر بیٹھے اور اپنا بایاں پیر دائیں سرین کے نیچے سے نکال لے۔ اس لیے کہ یہ طریقہ اس کے لیے زیادہ باپردہ (استر) ہے۔ (ص:۱۷۵)

دیکھ لیجیے! اس حنفی عالم نے بھی ان فروق کے لیے کتاب وسنت سے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ حالانکہ اس کتاب کا موضوع بھی فقہ حنفی کے مسائل کے دلائل بیان کرنا ہے۔

تیسری کتاب اور اس کا تعارف:

اس کا نام ہے ''ارکان الاسلام' فقہ العبادات علی مذھب الامام ابی حنیفۃ النعمان۔''

مؤلف کا نام ہے' وھبی سلیمان غاوَجی۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ مطبوعہ دارالبشائر الاسلامیہ' بیروت' طبع اُولیٰ ۲۰۰۲ء

اس میں بھی صرف تین فرق بیان کیے گئے ہیں۔

۱- ''مرد تکبیر تحریمہ کے وقت' کانوں کے برابر تک رفع الیدین کرے۔ لیکن عورت کندھوں کے برابر تک رفع الیدین کرے۔ اس لیے کہ اس کی زندگی اور نماز کی بنیاد پردے پر ہے۔''

۲- ''مرد اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر' ناف کے نیچے رکھے۔ لیکن عورت اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر' سینے پر رکھے۔ بغیر تحلیق کے (حلقہ بنائے بغیر) اس لیے کہ اس میں اس کے لیے زیادہ پردہ ہے۔''

۳- ''عورت اپنی سرین (چوتڑ) پر بیٹھے۔ اس لیے کہ اس میں اس کیلئے زیادہ پردہ ہے۔''

اس حنفی عالم نے بھی ان فروق کے لیے کوئی دلیل کتاب وسنت سے نہیں دی ہے۔ صرف یہ عقلی دلیل دی ہے کہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔

حنفی علماء سے دو سوال:

اس مقام پر' ہم حنفی علماء سے دو سوال اُور کرنا چاہتے ہیں۔

۱- ایک یہ کہ عورت اگر کندھے تک ہاتھ اٹھانے کی بجائے' دو انچ اور زیادہ ہاتھ اٹھا کر کانوں کے برابر تک (مردوں کی طرح) ہاتھ اٹھا لے' تو اس میں بے پردگی کس طرح

ہوگی؟ آخر اس میں بے پردگی کا کون سا پہلو ہے؟ اگر یہ فرق نص پر مبنی ہوتا' تو پھر یہ سوال کرنے کا مجاز کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا تھا۔لیکن یہ سوال ہم اسی لیے کر رہے ہیں کہ اس کی بنیاد عقل و قیاس ہے۔اس لیے ہمیں بھی عقل و قیاس کی بنیاد پر سوال کرنے کا حق حاصل ہے تاکہ ہم سمجھ سکیں کہ واقعی اس کی کوئی عقلی و قیاسی بنیاد ہے۔ورنہ ہمارے نزدیک تو اس کی عقلی و قیاسی بنیاد بھی نہیں ہے۔شرعی بنیاد تو پہلے ہی نہیں ہے' جیسا کہ تفصیل سے وضاحت کی جاچکی ہے۔

اسی طرح دوسری کیفیات کی بابت بھی یہی سوال ہے کہ ان میں پردے کا پہلو کس طرح ہے؟ اور اگر عورت' مرد ہی کی طرح وہ کام کرے' تو اس میں بے پردگی کیسے اور کس طرح ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے عورت کے لیے پردے کے احکام دیے ہیں اور بے پردگی کی صورتوں سے روکا ہے۔اگر ان کیفیات وہیئات میں واقعی عورت کے لیے پردہ اور بصورت دیگر بے پردگی ہوتی۔تو کیا شریعت اس کا اہتمام کرنے کا حکم نہ دیتی؟ کیا اللہ تعالیٰ بھول گیا؟ یا رسول اللہ ﷺ اس مسئلے کو اس طرح واضح نہیں کر سکے جیسا کہ بعد میں فقہائے احناف نے واضح کیا؟

چاروں مذاہب کے متفق ہونے کا دعویٰ اور اس کی حقیقت:

اس کے بعد مولانا سکھروی صاحب نے چاروں ائمہ فقہ کے مسالک اور ان کی فقہی کتابوں سے چند عربی عبارتیں نقل کر کے یہ تأثر دیا ہے کہ چاروں مذاہب بھی اس معاملے میں متفق ہیں۔ہم فی الحال اس پر زیادہ گفتگو نہیں کرتے' اس لیے کہ ہمارے نزدیک اصل ماخذ صرف کتاب وسنت ہیں۔اس لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کا قائل و فاعل کون ہے یا کون کون ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ ان کے پاس اپنے اس قول یا

عمل کی کوئی دلیل بھی ہے یا نہیں؟ اور ہم پورے اذعان و یقین بلکہ تحدّی سے یہ عرض کرتے ہیں کہ احناف کے علاوہ بھی اگر کوئی اس مسئلے میں احناف کا ہم نوا ہے تو جیسے احناف کوئی دلیل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔[ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا] اسی طرح دوسرے اہل فقہ بھی اس مسلک کی صحت کی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔
ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین. (اگر سچے ہو تو دلیل پیش کر کے دکھاؤ)

شوافع کا اعترافِ عجز:

یہی وجہ ہے کہ شافعی حضرات بھی احناف کی طرح' عورتوں کے لیے الگ طریقۂ نماز تجویز کرتے ہیں لیکن ان کے سمجھ دار لوگ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں جن روایات کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ سب ضعیف ہیں۔ ان میں اگر کوئی روایت کچھ کام کی ہے تو وہ صرف ایک مرسل روایت ہے۔ چنانچہ مولانا سکھروی صاحب نے مذہب شافعی کے ضمن میں جس کتاب کا حوالہ دیا ہے' وہاں سجدے کی کیفیت میں مرد اور عورت کے لیے فرق کیا گیا ہے۔ لیکن اس مقام کو نکال کر دیکھ لیجیے۔ وہاں امام نووی رحمہ اللہ نے مرد کے لیے تو دلیل کے طور پر حدیث پیش کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں اپنے بازو اپنے پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے اور اپنے ہاتھوں کے درمیان اتنی کشادگی رکھتے تھے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ لیکن عورت چمٹ کر سجدہ کیوں کرے؟ اس کی کوئی دلیل انہوں نے پیش نہیں کی۔ بلکہ ''المھذب'' (فقہ شافعی کی کتاب) کے متن میں جو وجہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں عورت کے لیے زیادہ پردہ ہے' اس کی شرح میں وہ خاموشی سے گزر گئے ہیں۔ (دیکھیے ''المجموع شرح المھذب' ج:۳'ص: ۴۰۵-۴۰۶)

اسی طرح اس سے قبل بھی ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

[والمعتمد فی استحباب ضم المرأة بعضها الی بعض کونه استرلها......

وذكر البيهقي باباذكر فيه احاديث ضععها كلها واقرب مافيه حديث مرسل في سنن ابى داود] (المجموع، ج : ۳، ص : ۳۸۱)

''شافعیہ کے اس مسلک کی کہ عورت کا نماز میں سمٹنا مستحب ہے۔ ساری بنیاد اس بات پر ہے کہ یہ کیفیت اس کے لیے زیادہ باپردہ ہے۔ (اس کے لیے ان کے پاس کوئی حدیث نہیں ہے۔) امام بیہقی رحمہ اللہ نے (السنن الکبریٰ میں) ایک باب میں کچھ حدیثیں ذکر کی ہیں، ان سب کو انہوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ان میں ایک وہ مرسل حدیث کچھ غنیمت ہے جو مراسیل ابی داود میں ہے۔''

حنبلی مذہب کے بیان میں بدترین خیانت کا ارتکاب:

حنبلی مذہب کے بارے میں بھی مولانا سکھروی صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ بھی اس مسئلے میں احناف کے مطابق ہے۔ لیکن اس سلسلے میں انہوں نے جو عبارت پیش کی ہے، وہ بدترین خیانت کی ذیل میں آتی ہے، غالبًا اسی لیے انہوں نے عربی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کی ہے، اس کا ترجمہ نہیں دیا۔ ہم موصوف کی پیش کردہ عربی عبارت اور اس کا ترجمہ عرض کرتے ہیں۔ آپ اسے ملاحظہ فرما کر ان کی امانت و دیانت کی داد دیجیے۔ لکھتے ہیں:

[وفي مذهب الحنابلة: و في المغني : و ان صلت امرأة بالنساء قامت معهن في الصف و سطاً. قال ابن قدامة في شرحه اذا ثبت هذا فانها اذا صلت بهن قامت في وسطهن، لا تعلم فيه خلافا بين من رأى لها ان تؤمهن ولان المرأة يستحب لها التستر ولذلك لايستحب لها التجا في......] الخ.

(اس کا ترجمہ انہوں نے تو نہیں کیا، ہم کرتے ہیں:)

''اور حنابلہ کا مذہب: (فقہ حنبلی کی کتاب) المغنی میں ہے۔ اگر عورت، عورتوں کو نماز پڑھائے (یعنی عورت عورتوں کی امامت کرے) تو وہ عورتوں کے ساتھ

صف کے درمیان میں کھڑی ہو (یعنی مرد کی طرح آگے نہ کھڑی ہو) ابن قدامہ نے اس کی شرح میں کہا ہے۔ جب یہ بات (کہ عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے) ثابت ہوگئی' تو جب وہ ان (عورتوں) کو نماز پڑھائے تو ان کے درمیان میں کھڑی ہو۔ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے' ان کے درمیان اس کی بابت کوئی اختلاف ہمارے علم میں نہیں کہ ایسی صورت میں عورت صف کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔ (''اس لیے کہ یہی طریقہ حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔'' یہ عبارت موصوف نے نقل نہیں کی ہے' لیکن یہ اصل کتاب میں موجود ہے۔ ہم نے یہ اس لیے نقل کی ہے کہ اگلی عبارت کا تسلسل اس کے بغیر قائم نہیں ہوتا) اور اس لیے کہ عورت کے لیے پردہ پوشی مستحب ہے' اسی لیے اس کے لیے علیحدہ (آگے کھڑا ہونا) مستحب نہیں ہے (اور اس کا صف کے درمیان میں کھڑا ہونا اس کے لیے اَستَر (زیادہ باپردہ) ہے' پس اس کے لیے یہی مستحب ہے......) (المغنی مع الشرح الکبیر' ج : ۲' ص : ۸۲- و طبع جدید' ج : ۲' ص : ۱۷)

بتلایئے! اس عبارت میں کہیں بھی اس فرق کی تفصیل ہے جو زیر بحث ہے اور جس کی بابت مولانا سکھروی نے دعویٰ کیا ہے کہ حنبلی مذہب میں بھی ایسا ہی ہے۔ وہ پانچ باتیں یا آٹھ فرق اس میں کہاں ہیں جن کا اس عبارت میں ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

اس میں تو ایک بالکل مختلف مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے عورت کا عورتوں کی امامت کرانے کا۔ اس کی بابت احادیث میں تو کوئی صراحت نہیں ملتی۔ البتہ حضرت عائشہ و ام سلمہ رضی اللہ عنہما کا عمل ملتا ہے کہ انہوں نے عورتوں کی امامت کرائی' تو وہ صف کے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے مذکورہ عربی عبارت میں یہی

بات بیان کی گئی ہے کہ ایسی صورت میں عورت درمیان میں کھڑی ہوگی نہ کہ آگے' جیسے مردوں کا امام آگے کھڑا ہوتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس میں بھی تو مرد وعورت کے درمیان ایک فرق ہی بیان کیا گیا ہے' اس لیے اسے غیر متعلق نہیں کہا جا سکتا لیکن ہم عرض کریں گے کہ یہ فرق بھی اگرچہ بعض علماء کے نزدیک صحیح ہے۔ لیکن جن فروق پر بحث ہو رہی ہے' اس کا تو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ان فروق میں تو حنابلہ احناف کے مطابق نہیں ہیں۔ پھر حنابلہ کو بھی اس مسئلے میں اپنا ہمنوا قرار دینا کیوں کر صحیح ہے؟ علاوہ ازیں یہاں ایک اور سوال ہے کہ کیا فقہ حنفی میں عورت کا عورتوں کی امامت کرانا جائز ہے؟ ان کے ہاں تو عورت عورتوں کی امامت ہی نہیں کرا سکتی۔ ان کے نزدیک یہ مکروہ عمل ہے۔ جب عورت کا امامت کرانا ہی مکروہ ہے تو پھر اس میں مرد وعورت کے درمیان فرق کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ اس اعتبار سے بھی مولانا موصوف کا مذکورہ اقتباس نقل کرنا بے محل بھی ہے اور علمی خیانت بھی۔ اور نتیجہ اس کا ضَلُّوْا فَاَضَلُّوْا کا مصداق بنتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ.

پانچ دعوے اور ان کی حقیقت:

مولانا سکھروی صاحب لکھتے ہیں:

''مذکورہ بالا احادیث طیبہ' آثارِ صحابہ وتابعین اور چاروں مذاہب فقہ حقہ کے حضرات فقہائے کرام کی عبارات سے جو عورتوں کی نماز کا مسنون طریقہ ثابت ہوا' وہ مردوں کے طریقۂ نماز سے جدا ہے۔ عورتوں کے طریقۂ نماز میں زیادہ سے زیادہ پردہ اور جسم سمیٹ کر ایک دوسرے کے ملانے کا حکم ہے اور یہ طریقہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے آج تک اس امت میں متفق علیہ اور عملاً متواتر ہے۔ آج تک کسی صحابی یا تابعی یا دیگر فقہائے امت کا کوئی ایسا فتویٰ نظر نہیں آیا جس میں عورتوں کی نماز کو مردوں کی نماز کے

مطابق قرار دیا ہو۔ نیز خود اکابر اہلحدیث حضرات اس مسئلے میں مذکورہ بالا احادیث کے مطابق فتویٰ دیتے رہے ہیں۔'' (اس کے بعد مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے جو حنفی فقہ کے مطابق ہے۔) (خواتین کا طریقۂ نماز' ص: ۴۴'۴۵'۴۶)

جواب اس میں موصوف نے اپنے چند دعووں کو دہرایا ہے جن کی حقیقت اللہ کی توفیق سے ہم واضح کر آئے ہیں۔ تاہم پھر مختصر وضاحت کی جاتی ہے تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے۔

﴿**لیهلک من هلک عن بینة و یحیی من حی عن بینة**﴾ (الانفال : ٤٢)

''ا- پہلا دعویٰ کہ احادیث و آثار اور چاروں مذاہب سے عورتوں کی نماز کا جو مسنون طریقہ ثابت ہوا' وہ مردوں کے طریقۂ نماز سے جدا ہے۔ لیکن اس دعوے کی پوری حقیقت ہم الحمدللہ واضح کر آئے ہیں۔ اس دعوے کی پشت پر ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔ اس لیے نماز کا وہی طریقہ مسنون ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور وہ مرد ہو یا عورت' دونوں کے لیے ایک ہی طریقہ ہے' سوائے بعض ہدایات کے۔ جب تک علمائے احناف صحیح احادیث سے وہ فرق ثابت نہیں کر دیتے' انہیں یہ دعویٰ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں۔

دوسرا دعویٰ کہ عورتوں کے طریقۂ نماز میں زیادہ سے زیادہ پردہ کرنے اور جسم سمیٹ کر ایک دوسرے کے ملانے کا حکم ہے۔ لیکن یہ حکم کہاں ہے؟ ہمیں تو کسی حدیث میں یہ نہیں ملا۔ **هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین**. (اگر سچے ہو' تو دلیل پیش کرو!)

تیسرا دعویٰ کہ یہ طریقہ حضور کے عہد مبارک سے آج تک متفق اور متواتر ہے۔

یہ محض لاف زنی ہے۔ جب یہ طریقہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں' تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے آج تک کس طرح اسے متفق علیہ اور متواتر قرار دیا جا سکتا ہے؟ اس کے خلاف حضرت ام درداء کے دو اثر تو ہم نقل کر آئے ہیں' ایک صحیح بخاری میں ہے اور ایک مصنف ابن ابی شیبہ میں۔ یہ دونوں اثر ہی اتفاق و تواتر کے

دعوے کی نفی کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں جب خواتین کا یہ طریقۂ نماز ہی کسی حدیث سے ثابت نہیں، تو یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ عہد رسالت وعہد صحابہ وتابعین میں عورتیں اس طرح نماز پڑھتی تھیں۔ سبحانک هذا بهتان عظیم.

چوتھا دعویٰ ہے کہ کسی صحابی یا تابعی یا دیگر فقہائے امت کا کوئی ایسا فتویٰ نظر نہیں آیا جس میں عورتوں کی نماز کو مردوں کے مطابق قرار دیا ہو۔

اس کا جواب ہم پہلے دے آئے ہیں کہ جو مسئلہ واضح ہو، اس میں کوئی ابہام ہو نہ اختلاف۔ اس کی بابت کوئی فتویٰ دیتا ہے نہ کوئی پوچھتا ہی ہے۔ اس کی مثال ہم نے عرض کی تھی کہ رمضان المبارک کے روزے مرد اور عورت دونوں پر فرض ہیں اور دونوں کے لیے اس کے آداب وفرائض بھی یکساں ہیں۔ اب ایک شخص عورتوں کے لیے کچھ نئے آداب گھڑ لیتا ہے، اس سے اس کی دلیل مانگی جائے، تو کہے کہ آج تک کسی صحابی یا تابعی یا فقہائے امت سے کسی کا فتویٰ نظر سے نہیں گزرا جس میں مرد اور عورت کے لیے روزہ رکھنے کا ایک ہی طریقہ قرار دیا گیا ہو۔ بتلایئے! یہ کوئی معقول دلیل ہے؟ جو چیز مسلمہ ہو اور اس کی بات قرآن یا حدیث کی واضح تصریحات موجود ہوں، تو وہاں کسی کے فتویٰ کی ضرورت ہوتی ہے نہ کوئی دیتا ہی ہے۔ جو مسلمہ مسئلے کے خلاف کوئی چیز پیش کرے، تو یہ اس کی ذمے داری ہے کہ وہ اس کی دلیل پیش کرے اور اسے ثابت کرے۔

اسی طرح عورتوں کا مردوں کی طرح نماز پڑھنے کا مسئلہ بالکل واضح ہے جو نبی ﷺ کے فرمان [صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ] (صحيح بخاري، حديث : ٦٣١) پر مبنی ہے۔ اب جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ عورتوں کا طریقۂ نماز مردوں سے مختلف ہے، اس کا یہ دعویٰ اس حدیث کے خلاف ہے۔ اس لیے اپنے دعوے کے اثبات کے لیے دلیل پیش کرنا اس کی ذمے داری ہے۔

پانچویں نمبر پر اکابر اہلحدیث کی بابت دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔لیکن اقتباس صرف مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کا دیا ہے۔کیا صرف ایک بزرگ کو اہل حدیث کے اکابر کہا جا سکتا ہے؟ مولانا عبدالجبار غزنوی یقیناً اکابر اہلحدیث میں سے ہیں لیکن وہ ''اکابر'' نہیں ہیں' ایک اکبر ہیں۔ وہ ہمارے ایک بڑے اور عظیم بزرگ ہیں۔لیکن اہلحدیث کو تو آپ خود غیر مقلد کہتے ہیں تو پھر ہمارے سامنے ہمارے کسی بزرگ کا قول یا فتویٰ نقل کرنے کا کیا فائدہ؟ عدم تقلید کی برکت سے الحمد للہ ہم اکابر پرستی سے محفوظ ہیں۔اس لیے مولانا غزنوی کا یہ فتویٰ بھی ہمارے نزدیک اسی طرح غلط ہے جس طرح آپ کی ساری کتاب غلط' بلکہ اغلوطات کا مجموعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اہلحدیث میں کسی نے مولانا غزنوی کی تائید نہیں کی۔اہلحدیث کا جو مسلک ہے' وہ اسی فتاوی علمائے حدیث میں دوسری جگہ موجود ہے جہاں سے مولانا غزنوی کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے۔ لیجیے ملاحظہ فرمایئے! سوال میں احناف ہی کے پیش کردہ دلائل دیے گئے ہیں۔

جواب عورت مرد دونوں کا نماز پڑھنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:[صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ] (رواہ البخاری) اور بخاری باب سنة الجلوس فی التشهد میں ہے:[**كانت ام الدرداء تجلس فی صلوتها جلسة الرجل و كانت فقيهة**] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح بیٹھیں۔ اور جو حدیثیں بیہقی اور ابوداود کی مذکور فی السوال ہیں' وہ ضعیف ہیں قابل حجت نہیں۔''

(فتاویٰ علمائے حدیث' ج:۲' ص:۱۷۵)

یہ ہے اہلحدیث کا مسلک' جو حدیث نبوی[صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ] (رواہ البخاری) پر مبنی ہے۔اس حکم[صَلُّوا] میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔دونوں کے لیے طریقۂ نبوی کے مطابق نماز پڑھنا ضروری ہے۔اور وہ طریقہ دونوں کے لیے ایک ہی

ہے۔سوائے ان مخصوص باتوں کے جن کی بابت نبی ﷺ نے عورتوں کے لیے الگ ہدایات دی ہیں۔اور احناف نے ان کے لیے جو الگ طریقۂ نماز مقرر کر رکھا ہے' وہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے' اس لیے عورت کے لیے وہ طریقہ اختیار کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک اس طریقے کو احادیث سے ثابت نہیں کر دیا جاتا ہے۔اور ہمارا دعویٰ ہے کہ علمائے احناف اسے قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے۔''میں نہ مانوں'' کا علاج تو کسی کے پاس نہیں ہے۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے پاس اپنے موقف کے حق میں ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔جیسا کہ گزشتہ صفحات کے مباحث سے واضح ہے۔

ایک بے بنیاد دعوے یا اصول کا بار بار حوالہ:

مولانا سکھروی صاحب لکھتے ہیں:

''جہاں تک اہلحدیث حضرات کے دعوے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں نہ تو ان کے پاس کوئی قرآنی آیت ہے اور نہ کوئی حدیث اور نہ ہی کسی خلیفۂ راشد کا فتوی۔البتہ اگر وہ حضرت ام درداء کا اثر استدلال میں پیش کریں جو یہ ہے کہ

''حضرت ام درداء نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں'' (المصنف ابن ابی شیبہ' ج:۱' ص:۲۰) تو اس اثر کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اس اثر سے استدلال کرنا کئی وجہ سے درست نہیں۔'' (صفحہ:۴۷)

جواب مولانا موصوف کا یہ اصول' جو یہاں پھر پیش کیا گیا ہے' یکسر غلط ہے جس کا بودا پن ہم اس سے قبل دو مرتبہ واضح کر آئے ہیں۔بات یہ ہے کہ قرآنی آیت' یا حدیث پیش کرنا تو علمائے احناف کی ذمے داری ہے کیونکہ انہوں نے ایک خود ساختہ طریقہ اپنایا ہوا ہے۔اہلحدیث کے پاس تو ایک نہایت واضح حدیث موجود ہے۔جیسے رمضان کے روزے رکھنے کا حکم عام ہے' اس میں مرد وعورت دونوں شامل ہیں۔اب جو شخص یہ دعویٰ

کرے کہ عورت روزے میں فلاں فلاں کام نہ کرے یا فلاں کام کرے' جب کہ مردوں کے لیے ان کو وہ ضروری قرار نہ دے۔ جب اس کو ایسا کرنے سے روکا جائے' تو وہ کہے کہ میرے سامنے قرآن کی آیت پیش کرو' یا کوئی حدیث یا کسی خلیفۂ راشد کا فتوی۔ فرمایئے یہ ہٹ دھرمی ہے یا علمی استدلال؟ آخر آپ عورتوں کے لیے روزے کے نئے احکام تجویز کرنے والے کو کیا جواب دیں گے؟ کیا اس کا جواب اس کے سوا کوئی اور بھی ہے' یا ہوسکتا ہے کہ قرآن کا حکم عام ہے' اس میں عورتوں کے لیے الگ طریقہ تجویز نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے جس طرح مرد روزہ رکھے گا' عورت بھی اسی طرح روزہ رکھے گی' روزے کے جو آداب واحکام مرد کے لیے ضروری ہیں' عورتوں کے لیے بھی وہی ہوں گے۔ کیا یہ دلیل نہیں ہے؟ اس دلیل کے علاوہ کیا آپ قرآن کی کوئی آیت یا حدیث یا خلیفۂ راشد کا فتویٰ پیش کر سکتے ہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو کر کے دکھائیں' ہم بھی آپ کو دکھا دیں گے۔ پہلے اس اصول کو۔ اگر یہ کوئی اصول ہے؟ آپ استعمال کر کے دکھلائیں۔

ماھو جوابکم فھو جوابٌ لنا.

ہمارے موقف کی اصل بنیاد حدیث رسول ہے۔ پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اہلحدیث کے پاس ان کے موقف پر کوئی حدیث نہیں ہے؟ جب اس مسئلے کی بنیاد ہی حدیث رسول پر ہے۔ تو پھر قرآنی آیت کا مطالبہ یا خلیفۂ راشد کا فتوی مانگنا ہٹ دھرمی کے سوا کیا ہے؟ ہاں کوئی مطالبہ ہوسکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ اس حدیث کی صحت ثابت کرو۔ اور وہ الحمد للہ ثابت ہے۔ دوسرا مطالبہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس حدیث سے مرد اور عورت دونوں کی نماز کا ایک ہی طریقہ کس طرح ثابت ہوتا ہے؟ تو اس کے جواب میں ہم عرض کریں گے۔ وہ اس طرح کہ اللہ کے رسول نے عورتوں کے لیے نماز کا الگ طریقہ -سوائے چند باتوں کے- تجویز نہیں کیا۔ اس لیے اس حکم میں کہ ''تم نماز اس طرح پڑھو'

جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔'' مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہوں گی۔ دونوں کے لیے وہی احکام ہوں گے جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں۔ ان میں سے مرد یا عورت کے لیے وہی چیز مستثنیٰ ہوگی جس کا استثناء حدیث رسول سے ثابت ہوگا۔ اور مرد کانوں تک رفع الیدین کرے اور عورت کندھوں تک۔ مرد سجدہ اس طرح کرے اور عورت اس طرح' وغیرہ مرد اور عورت کے درمیان یہ فرق کسی حدیث میں بیان نہیں ہوا۔ اس لیے اس فرق کا کوئی جواز نہیں۔ حدیث رسول سے ان کو ثابت کر دیا جائے' تو ہمیں ماننے میں ہرگز تامل نہیں ہوگا۔

ہمارے استدلال کی بنیاد صرف اور صرف حدیث رسول ہے۔ حضرت ام درداء یا کسی اور کا اثر نہیں۔ وہ تو عہد صحابہ کا عمل بتلانے کے لیے نقل کیا جاتا ہے۔ اس لیے موصوف نے حضرت ام درداء کے اثر کے جو تین جواب پیش کیے ہیں' اس پر بحث کرنا ہم غیر ضروری سمجھتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔

حدیث رسول کو کنڈم کرنے کی مذموم سعی:

البتہ اس کے بعد موصوف نے حدیث' [صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ] کو کنڈم کرنے کی کوشش کی ہے' ہم اس پر بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ پہلے آپ موصوف کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:

''نیز اگر یہ حضرات [صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ] سے استدلال کریں کہ عورتوں کی نماز مردوں کے مطابق ہے' تو یہ استدلال صحیح نہیں۔ اوّل تو اس جملے کا سیاق وسباق ایک خاص واقعہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک خاص وفد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بیس دن قیام کے لیے آیا تھا' واپسی پر آپ نے ان کو کچھ نصیحتیں فرمائیں ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ [صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ] (صفحہ:۴۹-۵۰)

جواب یہ بات تو صحیح ہے کہ ایک وفد آپ کے پاس آیا جس میں تقریباً سب جوان تھے۔ لیکن انہوں نے ۲۰ دن جو آپ کے پاس قیام کیا' تو اس کا مقصد دین کی تعلیم و تربیت حاصل کرنا تھا یا کچھ اور؟ ظاہر بات ہے وہ آپ کے پاس دین سیکھنے ہی کے لیے آئے تھے اور واپسی پر آپ نے دیگر نصیحتوں کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ ''تم نماز اس طرح پڑھنا' جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔'' (صحیح بخاری' الاذان' حدیث : ۶۳۱)

اس سیاق وسباق میں کیا آپ کا یہ فرمان غیر اہم ہو گیا کہ اس سے استدلال صحیح نہیں؟ اس سیاق وسباق میں ایسی کون سی چیز ہے جس نے آپ کے اس فرمان کو (نعوذ باللہ) کنڈم کر دیا؟ بلکہ یہ سیاق وسباق تو اس فرمان کی اہمیت کو مزید واضح کرتا ہے کہ جو لوگ دور دراز سے آپ کے پاس دین سیکھنے کے لیے آئے تھے' آپ نے ان کو نماز کی بابت خاص صور پر سنت کے مطابق پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ اور تعلیم وتربیت کا یہ موقع ایسا تھا کہ اگر عورتوں کے لیے نماز کا طریقہ الگ ہوتا تو وہ آپ ان کو اس موقعے پر ضرور بتلاتے۔ اس لیے کہ جب آپ نے دیکھا کہ گھر سے دوری کی وجہ سے یہ نوجوان اداس ہو گئے ہیں' تو آپ نے فرمایا ''اپنے گھر والوں کے پاس واپس جاؤ اور انہی کے پاس قیام کرو اور ان کو (دین کی باتیں) سکھلاؤ اور (ان کا) ان کو حکم دو۔'' اس موقعے پر نماز کی بابت ایک عام حکم دینا اور اس میں کسی کو الگ نہ کرنا' اس بات کی قوی دلیل ہے کہ نماز کے اس حکم میں نبی ﷺ کے نزدیک مرد اور عورت دونوں ہی شامل تھے' نہ کہ صرف مرد۔

پھر یہ کہنا کہ یہ صرف ایک نصیحت تھی' بڑی عجیب بات ہے۔ کیا نبی ﷺ کی نصیحتیں قابل عمل یا قابل استدلال نہیں؟ کیا ان سے احکام ومسائل کا استنباط صحیح نہیں؟ نبی ﷺ کی اس نصیحت کا مقصد ان کو عمل کی تاکید تھا یا کچھ اور؟ ظاہر بات ہے عمل کی تاکید تھا۔ عمل

کی تاکید سے اس حکم کی اہمیت واضح ہوتی ہے یا وہ حکم غیر اہم ہو جاتا ہے؟ حدیث رسول کو کنڈم کرنے کے لیے اس استدلال میں کوئی معقولیت ہے؟

بنیادی اور مسلمہ اصول کا اعتراف اور ہمارا مطالبہ:

آگے فرماتے ہیں: ''بہرحال اگر اس جملے کو سیاق وسباق سے ہٹ کر دیکھیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کی عمومیت میں مرد وعورت سمیت پوری امت شریک ہے اور پوری امت پر لازم ہے کہ جو طریقہ آنحضرت ﷺ کی نماز کا ہے وہی طریقہ امت کا ہو۔ لیکن یہ واضح ہو کہ اس عمومیت پر عمل اس وقت تک ہی ضروری ہے جب تک کوئی شرعی دلیل اس کے معارض نہ ہو۔ اور اگر کوئی دلیل خصوص کی بعض عمل یا افراد میں اس حکم کے معارض ہو تو اس دلیل خصوص کی وجہ سے وہ بعض افراد یا وہ عمل اس امر کی تعمیل سے مستثنیٰ ہوں گے۔ چنانچہ ضعفاء اور مریض ان احادیث سے جن میں ان کے لیے تخفیف کی گئی ہے اور عورتیں ان تمام احادیث سے جس میں ان کو ستر پوشی اور اخفاء کا حکم دیا گیا ہے اس حکم سے مستثنیٰ ہوں گے۔ لہٰذا مستثنیات کی موجودگی میں اس جملہ سے عورت اور مرد کی نماز میں مجموعی کیفیت اور طریقہ پر مطابقت کا استدلال درست نہیں۔''
(صفحہ: ۵۰، ۵۱)

جواب الحمد للہ، اس اقتباس میں مولانا موصوف نے وہ اصول تسلیم کر لیا ہے جو مسلمہ ہے، جسے ہم پچھلے مباحث میں بیان کرتے آ رہے ہیں کہ نبی ﷺ کا یہ فرمان [صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ] عام ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، اس کے مطابق دونوں کے لیے نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق نماز پڑھنی ضروری ہے۔ البتہ اس سے وہ چیزیں مستثنیٰ ہوں گی جن کا استثناء احادیث سے ثابت ہوگا۔

متفق گردید رائے بوعلی با رائے من

اب ہمارا سوال صرف یہ ہے کہ اس مسلمہ اصول کو جب آپ نے تسلیم کرلیا ہے تو اب اس ذمے داری کو پورا کیجیے کہ عورتوں کے لیے جو جو باتیں آپ مردوں کے طریقۂ نماز سے مختلف باور کراتے ہیں' انہیں احادیث صحیحہ سے ثابت کردیں۔ جیسے آپ کے بقول۔

- مرد تکبیر تحریمہ کے رفع الیدین میں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور عورت کندھوں یا چھاتیوں تک۔
- مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور عورت سینے پر۔ اس طرح کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر آجائے۔
- مرد سجدے میں اپنے بازو زمین پر بھی نہ رکھے اور اپنے پہلوؤں کے ساتھ بھی نہ ملائے۔ لیکن عورت سمٹ کر اور زمین سے اس طرح چمٹ کر سجدہ کرے کہ پیٹ رانوں سے بالکل مل جائے۔ نیز پاؤں کو کھڑا کرنے کی بجائے انہیں دائیں طرف نکال کر بچھادے۔ خواتین کہنیوں سمیت پوری باہیں بھی زمین پر رکھیں۔
- خواتین پہلے سجدے سے اٹھ کر بائیں کولہے (کو زمین) پر رکھیں اور دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال دیں اور دائیں پنڈلی کو بائیں پنڈلی پر رکھیں۔
- قعدے میں بیٹھنے کا طریقہ وہی ہوگا جو سجدوں کے بیچ میں بیٹھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔
- خواتین رکوع میں معمولی جھکیں کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں' مردوں کی طرح خوب اچھی طرح نہ جھکیں۔
- خواتین گھٹنوں پر ہاتھ کی انگلیاں ملا کر رکھیں۔ مردوں کی طرح کشادہ کر کے گھٹنوں کو نہ پکڑیں اور گھٹنوں کو (ذرا آگے) کو جھکالیں اور اپنی کہنیاں بھی پہلو سے خوب ملا کر رکھیں۔
- خواتین رکوع میں دونوں پاؤں کے ٹخنے ایک دوسرے سے ملا کر رکھیں۔

یہ وہ آٹھ فرق ہیں جو مولانا عبدالرؤف سکھروی صاحب نے ''خواتین کا طریقۂ نماز''

میں بیان کیے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ان سے اور تمام علمائے احناف سے یہ ہے کہ یہ آٹھ فرق احادیث سے ثابت کر دیں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے (اور ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ قیامت تک نہیں کر سکتے) تو ہماری ان سے یہی التجا ہے کہ وہ عورتوں کو سنت کے مطابق نماز پڑھنے سے محروم نہ کریں اور مذکورہ آٹھ صورتیں ان کے لیے بیان کرنا اور ان کو ان کے لیے ضروری قرار دینا بند کر دیں۔

جب یہ صورتیں احادیث سے ثابت ہی نہیں تو علمائے احناف کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ ان کو عورتوں کے لیے ضروری قرار دیں؟ **هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين.**

ایک دلچسپ لطیفہ

ایک اور لطیفہ یا نمونۂ عبرت یہ ہے کہ عورتوں کے لیے

علمائے احناف جو فرق تجویز کرتے ہیں، اس میں وہ سب متفق نہیں۔ چنانچہ گزشتہ مباحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ ''الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید'' کے مؤلف نے ۵ فرق بیان کیے ہیں۔ اور ''الفقہ الحنفی وادلتہ'' کے مؤلف اور ''ارکان الاسلام علی مذھب الامام ابو حنیفۃ النعمان'' کے مؤلف دونوں نے تین تین فرق بیان کیے ہیں۔ اور ''خواتین کا طریقۂ نماز'' کے مؤلف نے آٹھ فرق بیان کیے ہیں۔ اگر یہ فرق حدیث میں بیان کیے گئے ہیں، تو تعداد میں یہ اختلاف کیوں ہے؟ یہ اختلاف ہی اس بات کی وضاحت کے لیے کافی ہے کہ عورتوں کے لیے نماز کا الگ طریقہ حدیث نبوی سے ثابت نہیں ہے، بلکہ فقہائے احناف کا گھڑا ہوا ہے اور اس کا مبنیٰ قیاس ورائے ہے۔ حالانکہ عبادات میں اصل توقیف (اللہ رسول کا حکم) ہے، قیاس ورائے کی اس میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

❀❀❀

خواتین کا طریقۂ نماز؟

ہر مسلمان کو غور و فکر کی دعوت

نماز' اسلام کا ایک اہم ترین فریضہ' اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک رکن اور کفر و اسلام کے درمیان فرق کرنے والا عمل ہے۔ اس سے نماز کی اہمیت وفضیلت واضح ہے۔

لیکن ایک مخصوص فقہ کے پابند حضرات نے' جن کی برصغیر پاک و ہند میں اکثریت ہے' اپنی عورتوں کے لیے نماز کا ایک ایسا طریقہ تجویز کیا ہوا ہے جو مردوں سے مختلف ہے اوران کی عورتیں اسی طریقے سے نماز پڑھتی ہیں۔

یہ طریقہ' اگر احادیث سے ثابت ہوتا' تو ظاہر بات ہے' اس پر اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی بلکہ سب کے لیے اس کی پابندی ضروری ہوتی۔ لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ اس فرق واختلاف کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہے، یعنی کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں۔

ہماری دعوت ہے کہ آپ اس دعوے کو جانچیں' پرکھیں اوراس پر غور کریں۔ اگر یہ دعویٰ صحیح ہے (جس کے پرکھنے کے لیے اس کتاب کا غیر جانبداری سے مطالعہ ان شاء اللہ کافی ہوگا) تو فقہی جمود کو توڑ کر اپنی عورتوں کی نماز سنت نبوی کے مطابق کریں۔ اوراگر ملاحظہء کتاب کے بعد بھی آپ اس میں بیان کردہ دلائل سے مطمئن نہ ہوں' تو اپنے علماء سے ہمارے دلائل کا جواب طلب کریں اور ہمیں ان سے آگاہ کریں۔ اگر وہ اس فرق واختلاف کی ایک بھی صحیح مرفوع حدیث پیش کردیں گے' تو ہمیں اس دعوے سے رجوع کرنے میں کوئی تأمل نہیں ہوگا۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین ''اگر سچے ہو' تو اپنی دلیل پیش کرو۔''

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاھور
لندن • ھیوسٹن • نیو یارك